خیر خواہی

نبی ﷺ نے امت سے عہد و پیمان لیا کہ مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی کی جائے۔
حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے بیعت کی تو آپ ﷺ نے شرط لگادی کہ میں تمام مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی کا رویہ اپناؤں۔
(صحيح بخاري، رقم الحديث: ٢٥٢٥)

عام مسلمانوں کی خیر خواہی یہ ہے کہ ہر بھلے کام میں ان کی مدد کی جائے، ان کی ضرورتیں پوری کی جائیں، ان کے عیوب کی پردہ پوشی، ان کی مصیبتیں دور کرنا، برائیوں سے روکنا، دھوکا نہ دینا، جان و مال کی حفاظت کرنا، بڑوں کی عزت کرنا اور چھوٹوں پر شفقت کرنا وغیرہ۔

اگر معاشرہ خیر خواہی کے اسی جذبے پر قائم ہو تو وہ رحمت و شفقت، امن و سلامتی اور محبت و اِخلاص سے بھرپور ایک خوش حال مثالی معاشرہ ہوگا۔ خیر خواہی کا یہ رویہ صرف بڑوں کے ساتھ ہی نہیں بچوں کے ساتھ بھی روا رکھنا ہے۔ یہ بچے معاشرے کے کسی بھی طبقے کے ہوں، ان کے حقوق کی ادائیگی کر کے انھیں معاشرے کا ایک فعال اور سود مند حصہ بنانا ہماری ذمہ داری ہے۔

محبت اور نفرت صرف اللہ کے لیے

یہ ایک مسلمہ اور نا قابلِ انکار حقیقت ہے کہ اس دنیائے فانی وحیات مستعار میں انسان معاشرت پسند واقع ہوا ہے۔ باہم ایک دوسرے سے مل جل کر رہنا انسان کے اندر ایک فطری وجبلی امر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان کے باہمی رشتے، روابط اور تعلقات بے شمار ہیں: ماں باپ کا رشتہ، استاد شاگرد کا رشتہ، خویش واقارب کا تعلق ورشتہ اور دوستی وخلت کا رشتہ وغیرہ۔ لیکن ان تمام رشتوں کی حقیقت یہ ہے کہ یہ دنیوی رشتے ہیں اور ان مادی ودنیوی رشتوں کا دائرہ محدود ومحصور ہے۔ اس کے ماسوا ایک دوسرا رشتہ، رابطہ اور تعلق ایمانی ہوتا ہے اور یہ رشتہ ان تمام مادی ودنیوی رشتوں، ناتوں سے زیادہ مستحکم، پائیدار ٹھوس اور مضبوط ہوا کرتا ہے اور اسی رشتے کا استحکام ومضبوطی، اس میں زندگی وتابندگی ہی حقیقی ایمان کے لیے مطلوب ومقصود ہے، اسلام اسی کا داعی، نقیب اور امین ہے۔ چنانچہ کتاب وسنت میں اس رشتہ ایمانی کے شجر سے وابستہ وپیوستہ رہنے کی بڑی تاکید آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ إِخْوَةٌ﴾ [الحجرات: ۱۰] ''تمام مومن آپس میں بھائی ہیں۔''

ایک جگہ فرمایا:

﴿إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ رٰكِعُوْنَ۝﴾ [المائدة: ۵۵]

''(مسلمانو!) تمھارا دوست خود اللہ ہے اور اس کا رسول ہے اور ایمان والے ہیں جو نمازوں کی پابندی کرتے ہیں اور زکاۃ ادا کرتے ہیں اور وہ رکوع (خشوع وخضوع) کرنے والے ہیں۔''

مزید فرمایا: ﴿وَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ﴾ [التوبة: ۷۱]

''مومن مرد اور مومنہ عورت آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ومعاون اور دوست ہیں۔''

ایک حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((المسلم أخو المسلم.)) (سنن أبي داود، رقم الحديث: ۴۸۹۳ وصححه الألباني)

''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔''

ان آیات وحدیث سے یہ حقیقت واشگاف ہوتی ہے کہ تمام اہل ایمان آپس میں ایک دوسرے کے بھائی بھائی ہیں اگرچہ زمین کے دور دراز گوشوں نے ان کو باہم ایک دوسرے سے جدا کر رکھا ہو۔ مزید یہ کہ ایک انسان کا دوسرے انسان کے ساتھ کتنا مستحکم، مضبوط اور پائیدار رشتہ کیوں نہ ہو، وہ حقیقی بھائی بہن ہی کیوں نہ ہوں، اگر ایمان ویقین جیسی اعلیٰ قدروں سے ان کے دل خالی ہیں تو وہ آپس میں بھائی نہیں ہو سکتے، سب سے مضبوط اور طاقت ور رشتہ ایمان کا رشتہ ہے، ایمان کی بنیادوں پر استوار ہونے والا رشتہ ان حقیقی رشتوں سے کہیں زیادہ عظیم اور بلند تر ہے، اسی لیے آپس میں محبت والفت، اخوت وعقیدت کا جذبہ بھی وہی ہونا چاہیے جو کہ اس کا تقاضا ہے۔ (مولانا اسعد اعظمی حفظہ اللہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا

بانی
مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ

سرپرست
مولانا ابوبکر صدیق السلفی

مسلک اہلحدیث کا داعی و ترجمان

ہفت روزہ

الاعتصام

لاہور

یکے از مطبوعات دار الدعوۃ السلفیۃ

29 محرم الحرام 1434ھ جمعۃ المبارک 14 تا 20 دسمبر 2012ء

شمارہ 48 جلد 64

خط کتابت کے لیے : ہفت روزہ الاعتصام، 31 شیش محل روڈ، لاہور
کرنٹ اکاؤنٹ نمبر : ABL 2466-4 بلال گنج برانچ لاہور
فون نمبر : 042-3735 4406
فیکس نمبر : 042-37229802
رجسٹرڈ نمبر : CPL : 12

E-Mail: al.aitisam@gmail.com

بدل اشتراک

فی پرچہ	:	12/- روپے
سالانہ	:	500/- روپے
بیرونی ممالک سے	:	200/- ریال
		60/- ڈالر امریکی

پرنٹر: پرنٹ یارڈ پرنٹرز، لاہور۔ ناشر: حافظ احمد شاکر، مقام اشاعت: 31 شیش محل روڈ لاہور 54000

اداریہ

خشتِ اوّل

حافظ احمد شاکر

اسلام اور عدل کا تعلق اس قدر گہرا ہے کہ اگر اسلام سے عدل کو نکال دیا جائے یا اسلامی حکومت میں عوام کو عدل میسر نہ آئے تو نہ اسلام رہے گا اور نہ ہی حکومت کو اسلامی کہا جانا ممکن رہے گا جیسا کہ سورۃ نساء کی آیت نمبر ١٣٥ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! انصاف پر پوری طرح قائم رہنے والے، اللہ کے لیے شہادت دینے والے بن جاؤ، خواہ تمھاری ذاتوں یا والدین اور زیادہ قرابت والوں کے خلاف ہو، اگر کوئی غنی ہے یا فقیر تو اللہ ان دونوں پر زیادہ حق رکھنے والا ہے۔ پس اس میں خواہش کی پیروی نہ کرو کہ عدل کرو اور اگر تم زبان کو پیچ دو، یا پہلو بچاؤ تو بے شک اللہ اس سے جو تم کرتے ہو، ہمیشہ سے پوری طرح باخبر ہے۔'' (النساء:١٣٥)

اور پھر سورۃ المائدۃ کی آیت نمبر ٨ میں ارشاد ہے:

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کی خاطر خوب قائم رہنے والے، انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ اور کسی قوم کی دشمنی تمھیں ہر گز اس بات کا مجرم نہ بنا دے کہ تم عدل نہ کرو۔ عدل کرو، یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرو۔ بے شک اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔'' (المائدہ:٨)

اور کسی ملزم یا مجرم کو سزا سے استثناء دینا عدل کے سراسر خلاف ہے۔ ہم ...... عوام سے حکمرانوں تک ...... چونکہ بحمد اللہ مسلمان ہیں اور ہر مسلمان کے لیے قرآن وحدیث ہی اصل راہنما ہیں اور نبی ﷺ کا اسوہ، یعنی طریق حیات، ہی دین اور ہدایت کا راستہ ہے۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم آپ کی حیاتِ مبارکہ سے، آپ کے ارشادات ...... احادیث نبویہ ...... سے، آپ کے فیصلوں سے اور پھر آپ کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے عدالتی احکامات اور فیصلوں سے راہنمائی حاصل کریں۔

ہمارے علم کے مطابق آئین پاکستان کی بنیاد برطانیا کا وہ قانون ہے جس کو برٹش لا کہا جاتا ہے۔ ہمارے قانون دانوں اور انتظامی بزرجمہروں نے اس قانون ہی سے کچھ چیزیں خارج کر کے اور کچھ کو داخل کر کے اس کو آئین پاکستان کا نام دے دیا ہے۔ بعد کے حکمران بھی حسب ضرورت آئین میں ترمیمیں کرتے رہے لیکن جنرل ضیاء الحق رحمہ اللہ کی اکثر ترامیم خصوصاً دینی نقطۂ نظر سے بہت اہم تھیں کہ اگر ان پر عمل یا ان کو ملحوظ خاطر رکھا جاتا تو شاید وطن عزیز کا ماحول مختلف ہوتا۔ جب کہ اسلام کے قانونِ شہادت میں شرائط سخت ہیں لیکن جرم ثابت ہو جانے پر فیصلے میں نرمی اس لیے نہیں کی جاتی بلکہ نرمی کی اجازت بھی نہیں کہ اسلام دنیا میں امن وسلامتی کا ضامن ہے جس کے لیے جرم کو جڑ سے ختم کرنا ناگزیر ہوتا ہے اور جرم جڑ سے اس وقت ختم ہو سکتا ہے جب مجرم کو مکمل عدل کے ساتھ سزا فی الفور اور سر عام دے کر نشانِ عبرت بنا دیا جائے۔

نبی ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کا معروف قصہ ہے کہ بنی مخزوم کی ایک عورت پر جب چوری کی حد لگائی جانے لگی تو لوگوں نے آپ کے پاس آپ کے ...... لاڈلے ...... غلام اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو سفارش کے لیے بھیجا تو نبی ﷺ نے اس کو فرمایا: ''کیا تم اللہ تعالیٰ کی حدود سے ایک حد کے بارے میں سفارش کرتے ہو؟'' پھر نبی ﷺ کھڑے ہوئے اور خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے گویا ہوئے کہ ''اے لوگو! تم سے پہلے لوگ اس لیے گمراہ ہوئے کہ ان میں

جب کوئی اشرافیہ میں سے چوری کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے (یعنی سزا نہ دیتے) اور جب کوئی کمزور......عوام...... چوری کرتا تو اس پر حد قائم کر دیتے۔ اللہ کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمد چوری کرتی تو محمد ﷺ اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتے۔'' (صحيح بخاري، باب كراهية الشفاعة فى الحد إذا رفع إلى السلطان)

یہ روایت تو سفارش کے بارے میں تھی اور استثناء (یا امتیاز) کے بارے میں درج ذیل واقعہ ملاحظہ فرمائیں:

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے مابین ایک باغ کے بارے میں تنازع ہوا تو دونوں نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم......فیصل...... مان لیا اور دونوں جب ان کے گھر گئے تو زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اپنے بستر سے اٹھ گئے اور حضرت عمر کو اس پر بٹھانا چاہا اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ زید رضی اللہ عنہ نے تکیہ نکال کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا اور کہا امیر المومنین آپ یہاں بیٹھ جائیں۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے زید تم نے اپنے فیصلے کے آغاز ہی میں غلطی کر دی۔ مجھے میرے فریق کے ساتھ بٹھاؤ پھر وہ دونوں حضرت زید کے سامنے بیٹھ گئے۔

(سیّدنا عمر بن خطاب، اردو ترجمہ مطبوعہ الفرقان ٹرسٹ، ص:۴۶۴)

اسی طرح کا ایک واقعہ کنز العمال کی جلد نمبر: ۷، ص: ۲۵ پر درج ہے کہ جنگ جمل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک زرہ گم ہوگئی تھی جو کسی آدمی کو مل گئی تو اس نے بیچ دی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک یہودی کے ہاں اس کو پہچان لیا۔ پھر وہ اپنا یہ جھگڑا قاضی شریح کی عدالت میں لے گئے۔ قاضی شریح نے جب گواہ طلب کیے، تو ایک حضرت علی کے بیٹے حسن تھے دوسرے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے غلام قنبر تھے۔ قاضی شریح نے کہا کہ آپ حسن......بن علی...... کی جگہ دوسرا گواہ لائیے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کہنے لگے کیا تم حسن کی گواہی قبول نہیں کرتے؟ انھوں نے کہا: میں آپ کو یاد دلا دوں کہ باپ کے بارے میں بیٹے کی گواہی جائز نہیں۔

دورِ حاضر میں جن ممالک میں اسلام کے حدود و تعزیرات کا عملاً نفاذ ہے ان ممالک کے جرائم کا ریکارڈ گواہ ہے کہ وہاں جرائم کا گراف دنیا میں سب سے کم ہے اور جہاں غیر اسلامی قوانین جاری و ساری ہیں وہاں جرائم کا گراف ہمیشہ بڑھتا ہی رہتا ہے۔ برٹش لا کے بارے میں ایک بات سمجھ نہیں آتی کہ ثناء خوانِ مغرب ان ممالک میں قانون کی پابندی اور عدل کی سربلندی کی جو کہانیاں سناتے ہیں وہ سن کر تو یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ صلیب نے اپنے محکوموں کو نرالا برٹش لاء عطا کیا ہے یا پھر یہ کہ برٹش لا کو مجرم کی خیر خواہی کے لیے......محاورتاً......موم کی ناک بنا دیا ہے کہ جس طرح چاہو اس کی شکل بنا لو یا بگاڑ لو۔

غیر اسلامی حکومتوں خصوصاً جن معاشروں میں طاغوت مادر پدر آزادی کا خواہش مند ہوتا ہے وہاں طاغوت حقوق انسانی کے دلفریب عنوان پر مجرم کو بچانے کی لامتناہی قانونی موشگافیوں کی کوشش میں رہتا ہے اور مجرم کو مہلت دینے کی خاطر شیطان کی آنت کی طرح اپیل در اپیل کا گورکھ دھندا شروع کر دیا جاتا ہے جس سے متاثرین کا غصہ کم کرنے اور جذبات ٹھنڈا کرنے کا کام بھی لیا جاتا ہے۔ واقعات اس پر بھی شاہد ہیں کہ وطن عزیز میں جرائم کے پھیلنے اور مجرموں کو بچانے کے لیے سب سے بڑا ناسور اسمبلیوں کے ارکان کا وہ استحقاق ہے جو عملاً قانون سے ان کو مستثنیٰ کر دیتا ہے، جس کی آڑ میں یہ وی۔ آئی۔ پی لوگ انتظامیہ کو ہمیشہ دباؤ میں رکھتے ہیں۔ مجرموں کو ''کسی وقت کے لیے'' ممنون احسان یا زیر دام رکھتے ہیں جس سے نہ جرم کم ہوتے ہیں اور نہ ہی مجرمین پر انتظامیہ گرفت کر سکتی ہے۔ اخبارات کے مطابق عدالت عظمیٰ شاید عنقریب استثناء کے متعلق ایک کیس سن رہی ہے ہمیں یقین ہے کہ عدالت عظمیٰ کے قابل احترام جج صاحبان کے سامنے اسلامی تاریخ کے مذکورہ بالا واقعات جیسے اور بھی کئی واقعات ہوں گے اور ان سے راہنمائی حاصل کرنا ان کے فرائض منصبی کا حصہ تو یقیناً ہوگا۔

قابل احترام عدالت عظمیٰ سے ہماری درخواست ہے کہ قوانین کا فنی جائزہ لے کر وہ جمہوریت کی عمارت سے استثناء کی یہ خشت اوّل کسی قانونی طریقے سے نکال ڈالیں اس سے جمہوریت کی ہر لمحہ ڈولتی عمارت بھی مضبوط ہو جائے گی اور وطن آئین پاکستان کے احترام کا گہوارہ بھی بن جائے گا۔

درس قرآن — قسط نمبر ۵۱

تفسیر سورۂ یٰسٓ

مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ

﴿وَلَقَدۡ اَضَلَّ مِنۡكُمۡ جِبِلًّا كَثِيۡرًا ؕ اَفَلَمۡ تَكُوۡنُوۡا تَعۡقِلُوۡنَ۝﴾ [یٰسٓ: ٦٢]

''اور بلاشبہ یقیناً اس نے تم میں سے بہت سی مخلوق کو گمراہ کر دیا تو کیا تم نہیں سمجھتے۔''

یہ دراصل پہلی آیات کا نتیجہ ہے کہ ہم نے تو تمھیں خبردار کیا تھا کہ شیطان تمھارا کھلا دشمن ہے، اس کی عبادت نہ کرنا۔ مگر تم ایسے بدقسمت نکلے کہ اس نے تم میں سے اکثر کو اپنے پھندے میں پھنسا لیا۔ تم میں اتنی بھی سمجھ بوجھ نہیں کہ تم اپنے دشمن کو پہچان سکو اور اپنے دوست و دشمن میں امتیاز کر سکو۔

﴿جِبِلًّا﴾ مخلوق کے معنی میں ہے: ''أي خلقا كثيرا.'' یعنی بہت سی مخلوق۔

مفردات میں ہے:

"جبلا: الجماعة العظيمة، أطلق عليه تشبها بالجبل في العظم."

''بڑی جماعت کیونکہ یہ پہاڑ کی طرح بڑی عظیم اور مضبوط ہوتی ہے۔''

اسی معنی میں یہ لفظ قرآنِ مجید میں یوں بھی آیا ہے:

﴿وَاتَّقُوا الَّذِيۡ خَلَقَكُمۡ وَالۡجِبِلَّةَ الۡاَوَّلِيۡنَ۝﴾ [الشعراء: ١٨٤]

''اور اس سے ڈرو جس نے تمھیں اور پہلی بہت سی مخلوق کو پیدا کیا۔''

شیطان نے تو روزِ اوّل ہی کہہ دیا تھا:

﴿ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمۡ مِّنۡۢ بَيۡنِ اَيۡدِيۡهِمۡ وَمِنۡ خَلۡفِهِمۡ وَعَنۡ اَيۡمَانِهِمۡ وَعَنۡ شَمَآئِلِهِمۡ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكۡثَرَهُمۡ شٰكِرِيۡنَ۝﴾ [الأعراف: ١٧]

''پھر میں ہر صورت میں ان کے آگے سے اور ان کے پیچھے سے اور ان کی دائیں طرفوں سے اور ان کی بائیں طرفوں سے آؤں گا اور تُو ان کے اکثر کو شکر کرنے والا نہیں پائے گا۔''

بلکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس نے جو یہ عزم کر رکھا تھا سچا کر دیا:

﴿وَلَقَدۡ صَدَّقَ عَلَيۡهِمۡ اِبۡلِيۡسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوۡهُ اِلَّا فَرِيۡقًا مِّنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ۝﴾ [سبا: ٢٠]

''اور بلاشبہ یقیناً ابلیس نے ان پر اپنا گمان سچا کر دکھایا تو مومنوں کے ایک گروہ کے سوا وہ سب اس کے پیچھے چل پڑے۔''

شیطان نے بھی کہا تھا:

﴿لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمۡ فِي الۡاَرۡضِ وَلَاُغۡوِيَنَّهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ۝ اِلَّا عِبَادَكَ مِنۡهُمُ الۡمُخۡلَصِيۡنَ۝﴾ [الحجر: ٣٩، ٤٠]

''میں ضرور ہی ان کے لیے زمین میں مزین کروں گا اور ہر صورت میں ان سب کو گمراہ کروں گا مگر ان میں سے تیرے وہ بندے جو خالص کیے ہوئے ہیں۔''

یہ خالص وہی ہیں جو اللہ سے مخلص ہوتے ہیں اور اس کی عبادت میں کسی اور کو شریک نہیں بناتے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی شیطان کے پھندوں سے بچائے اور اپنا مخلص بندہ بنائے، آمین۔

﴿اَفَلَمۡ تَكُوۡنُوۡا تَعۡقِلُوۡنَ﴾ یہاں شیطان کے پھندوں میں پھنسنے والوں سے عقل کی نفی کی گئی ہے۔ علامہ راغب اصفہانی نے فرمایا ہے:

''عقل اس قوت کو کہتے ہیں جو علم کو قبول کرنے کے لیے تیار رہتی ہے اور جو علم اس قوت عقل سے حاصل ہوتا ہے اسے بھی عقل کہا جاتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

"العقل عقلان: مطبوع ومسموع، فلا ينفع مطبوع إذا لم يكن مسموعا كما لا ينفع ضوء الشمس وضوء العين ممنوع."

''عقل کی دو قسمیں ہیں: عقل طبعی (جو طبیعت میں ودیعت کی گئی ہے) اور عقل سمعی (جو لوگوں کی باتیں سن کر حاصل ہوتی ہے۔) اگر کوئی عقل طبعی سے محروم ہو تو سن کر بھی کوئی فائدہ اسے نہیں ہوگا، جیسے سورج کی روشنی اندھے آدمی کے لیے بے فائدہ ہوتی ہے۔''

عقل کے پہلے معنی کی طرف ایک حدیث میں اشارہ ہے:

((ما خلق الله خلقًا أكرم عليه من العقل.)) [1]

''اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسی مخلوق پیدا نہیں کی جو اس کے نزدیک عقل سے زیادہ باعزت ہو۔''

اور دوسرے معنی کے لیے ایک حدیث میں اشارہ ہے:

((ما كسب أحد شيئا أفضل من عقل يهديه إلى هدى أو يرده عن ردى.)) [2]

''کسی شخص نے اس عقل سے بڑھ کر کوئی چیز حاصل نہیں کی جو انسان کی راہنمائی کرے یا اسے ہلاکت سے بچائے۔''

قرآنِ مجید میں جو فرمایا گیا ہے:

﴿وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ﴾ [العنكبوت: ٤٣]

''ان مثالوں کو صرف جاننے والے (علماء) ہی سمجھتے ہیں۔''

اس میں اسی معنی کے اعتبار سے عقل کی نفی کی گئی ہے۔ بلکہ قرآنِ مجید میں فقدانِ عقل کی وجہ سے کفار کی جہاں مذمت کی گئی ہے وہاں بھی یہی دوسرا معنی مراد ہے، جیسے فرمایا:

﴿وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ﴾

[البقرة: ١٧١]

''اور ان لوگوں کی مثال جنھوں نے کفر کیا، اس شخص کی مثال جیسی ہے جو ان جانوروں کو آواز دیتا ہے جو پکار اور آواز کے سوا کچھ نہیں سنتے، بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں سو وہ نہیں سمجھتے۔''

اور جس عقل کے نہ ہونے سے انسان غیر مکلّف ہو جاتا ہے وہ عقل کی پہلی قسم (عقل طبعی) ہے۔ دراصل العقل کے معنی روکنا اور منع کرنا ہے، جیسے: ''عقال'' یعنی پائے بند، جس سے اونٹ کا پاؤں باندھ دیتے ہیں۔'' (مفردات)

جس طرح یہ رسی اونٹ کو اِدھر اُدھر جانے سے روکتی ہے اسی طرح عقل بھی انسان کو معصیت اور اللہ کی نافرمانی سے روکتی ہے۔

عقل کے مفہوم کی تائید میں جو روایات علامہ راغب اصفہانی نے ذکر کی ہیں وہ دونوں سخت ضعیف ہیں بلکہ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے کہا ہے:

"أحاديث العقل كلها كذب."

(المنار المنيف، ص: ٦٦)

''عقل سے متعلقہ تمام احادیث جھوٹی ہیں۔''

علامہ سیوطی نے بھی انھیں اللآلیء المصنوعة (١/ ١٢٩، ١٣٠) میں ذکر کیا ہے۔ مزید دیکھیے اتحاف السادة المتقين: ١/ ٤٦١.

البتہ جو معنی انھوں نے بیان کیے ہیں عموماً ائمہ لغت اور فقہائے کرام نے اس کی تائید کی ہے۔ البتہ ''عقل'' کا تعلق سمعی دلائل سے ہی نہیں آفاقی وانفسی دلائل پر عقل سے محرومی پر بھی ہوتا ہے۔

اس ضمن میں علمائے کرام نے یہ بحث بھی کی ہے کہ عقل کا محل دماغ ہے یا دل ہے۔ (باقی صفحہ نمبر ١٦ پر ملاحظہ کیجیے)

[1] مگر یہ روایت موضوع ہے۔ (تذكرة الموضوعات، ص: ٢٥)

[2] اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ملی بلکہ حافظ ابن قیم نے فرمایا ہے: ''عقل کے بارے میں تمام احادیث جھوٹ پر مبنی ہیں۔'' (المنار المنيف، ص: ٦٦)

درسِ حدیث

غنية القاري بترجمة ثلاثيات البخاري

تاليف: إمام المفسرين، زبدة المحدثين
محي السنة نواب والا جاه صديق الحسن خان رحمہ اللہ

تسہیل: حافظ محمد اشرف سعید حفظہ اللہ

۲۔ دوسری ثلاثی حدیث:

"أخرجه البخاري في باب قدر كم ينبغي أن يكون بين المصلي والسترة من كتاب الصلاة المذكورة في الربع الأول هكذا حدثنا المكي بن إبراهيم قال: حدثنا يزيد بن أبي عبيد عن سلمة رضي الله عنه قال: كان جدار المسجد عند المنبر ما كادت الشاة تجوزها."

''بیان کیا اس کو امام بخاری رحمہ اللہ نے ربع اوّل، باب: ''کتنا فاصلہ ہونا چاہیے نمازی اور سترہ کے درمیان'' میں۔ کہا امام بخاری رحمہ اللہ نے: حدیث بیان کی ہم کو مکی بن ابراہیم نے اور کہا مکی نے: حدیث بیان کی ہم کو یزید بن ابی عبید نے، یزید نے سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت کی، انھوں نے کہا: مسجد نبوی کی دیوار اور منبر کے درمیان اتنا فاصلہ تھا کہ ایک بکری بہ مشکل سے درمیان سے گزر سکتی تھی۔''

فائدہ: امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ نے کہا: نمازی اور سترہ کے درمیان تین ہاتھ کا فاصلہ ہونا چاہیے اور امام مالک نے کوئی حد بیان نہیں کی۔ ابن بطال کہتے ہیں کہ اتنا فاصلہ ہو کہ درمیان سے بکری گزر سکے۔ حاصل یہ ہے کہ نمازی سترے کے اتنا قریب ہو کہ شیطان نماز میں خلل انداز نہ ہو سکے۔

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مکہ اور غیر مکہ میں نمازی کے آگے سے گزرنے میں کوئی فرق نہیں، البتہ طواف کرنے والوں کو ازدحام کی وجہ سے بہ امر مجبوری بعض لوگوں نے اجازت دی ہے۔ امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ کا مذہب یہ ہے کہ کتا، گدھا اور عورت وغیرہ کے گزرنے سے نماز باطل نہیں ہوتی۔

۳۔ تیسری ثلاثی حدیث:

"ذكره البخاري بالإسناد الذي مر في الثلاثي الأول في باب الصلاة إلى الأسطوانة من كتاب الصلاة المذكورة في الربع الأول هكذا حدثنا المكي بن إبراهيم قال: حدثنا يزيد بن أبي عبيد قال: كنت آتي مع سلمة بن الأكوع فيصلي عند الأسطوانة التي عند المصحف، فقلت: يا أبا مسلم! أراك تتحرى الصلاة عند هذه الأسطوانة؟ قال: فإني رأيت النبي ﷺ يتحرى الصلاة عندها."

''امام بخاری نے اس حدیث کی سند کو پہلی ثلاثی حدیث کی سند کے ساتھ باب ''ستون کی طرف نماز پڑھنے'' میں ذکر کیا ہے۔

کہا امام بخاری رحمہ اللہ نے: حدیث بیان کی ہم کو مکی بن ابراہیم نے، کہا مکی نے: حدیث بیان کی ہم کو یزید بن عبید نے، یزید نے کہا: میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد نبوی میں آیا کرتا تھا۔ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ اس ستون کے پاس نماز پڑھتے تھے جس کا نام ''ستون مصحف'' ہے۔ (یہ وہ ستون ہے جس کے پاس اب تک حضرت عثمان کے عہد سے قرآنِ پاک رکھا ہوا ہے۔) تو میں نے عرض کیا: اے ابومسلم! میں آپ کو دیکھتا ہوں کہ آپ اکثر اس ستون کے پاس نماز پڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ (باقی صفحہ نمبر ۱۲ پر ملاحظہ کریں)

تذکارِ سلف

قسط نمبر ①

خصوصیات ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

مولانا مفتی محمد عبید اللہ خاں عفیف حفظہ اللہ

اہل سنت والجماعت کے عقیدے کے مطابق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سب صحابہ سے افضل ہیں، آخر ان کی وہ کون سی خصوصیات ہیں جن کی وجہ سے دوسرے صحابہ پر فضیلت رکھتے ہیں؟ ذیل میں ان کی وہ خصوصیات بیان کی جائیں گی۔

۱۔ آپ پیدائشی صدیق ہیں:

نواب وحید الزماں خان تصریح فرماتے ہیں:

''صدیق، یعنی بڑے سچے یا جس نے کبھی جھوٹ نہ بولا ہو، ایسے راست باز کو ''صدیق'' کہتے ہیں۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جاہلیت کے زمانے میں بھی بت پرستی نہیں کی۔ قاضی ابوالحسین نے اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ ان کے والد ابوقحافہ ان کو بت خانے میں لے گئے اور کہنے لگے: بت کو سجدہ کرو۔ یہ کہہ کر وہ چلے گئے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں ایک بت کے پاس گیا اور اس سے کہا: میں بھوکا ہوں، مجھ کو کھانا دے۔ اس نے کچھ جواب نہ دیا۔ پھر میں نے کہا: میں ننگا ہوں، مجھ کو کپڑا پہنا۔ اس نے کچھ جواب نہ دیا۔ آخر میں نے ایک پتھر لیا اور کہا: اگر تُو خدا ہے تو خود کو میرے ہاتھ سے بچا۔ یہ کہہ کر میں نے وہ پتھر اس پر مارا، وہ اوندھا گر پڑا۔ اتنے میں میرے والد آ گئے۔ کہنے لگے: بیٹا! یہ کیا کیا ہے؟ میں نے کہا: جو تم دیکھ رہے ہو۔ وہ مجھ کو میری والدہ کے پاس لائے اور ان کو سب حال بیان کر دیا۔ انھوں نے کہا: میرے بیٹے سے کچھ مت بول، اللہ تعالیٰ نے اس کی وجہ سے مجھ سے بات کی تھی۔ جب یہ پیٹ میں تھا اور مجھ کو درد ہونے لگا، میرے پاس کوئی نہ تھا تو میں نے ایک ہاتف سے سنا، اس نے یوں آواز دی: اللہ کی بندی! خوش ہو جا کہ تجھ کو ایک آزاد لڑکا ملے گا جس کا نام آسمان میں ''صدیق'' ہے۔ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا صاحب اور رفیق ہوگا۔''

(تيسير الباري: ٣/ ٦٣١)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ ام الخیر سلمیٰ بنت صخر رضی اللہ عنہا کے وضاحتی بیان کے مطابق بلاشبہ یہ ثابت ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پیدائشی صدیق ہیں۔ ذلك فضل الله يؤتيه من يشآء .

۲۔ عتیق:

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی دوسری بڑی قابلِ ذکر خصوصیت لقبِ ''عتیق'' ہے۔ اور اس خصوصیت میں بھی کوئی ایک صحابی بھی آپ کا شریک اور سہیم نہیں اور آپ کا یہ لقب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عطا فرمودہ ہے، جیسا کہ جامع ترمذی میں ہے:

۱: "عن عائشة رضي الله عنها أن أبابكر دخل على رسول الله ﷺ فقال: ((أنت عتيق الله من النار .)) فيومئذ سمي عتيقا ." (جامع الترمذي مع شرحه تحفة الأحوذي: ٣/ ٣١٤)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''آپ رضی اللہ عنہ کو اللہ نے آگ سے آزاد کر دیا ہے۔'' تو اس دن سے آپ (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ) کا نام ''عتیق'' رکھ دیا گیا۔'' سبحان اللہ

۲: امام ابن اثیر رحمہ اللہ ارقام فرماتے ہیں:

"قيل: إنما سمي عتيقا لأن رسول الله ﷺ قال

له: ((أنت عتيق الله من النار.))"

(أسد الغابة في معرفة الصحابة: ۳/ ۲۰۵)

''آپ کے لقب ''عتیق'' کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آپ رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ اے ابوبکر! اللہ تعالیٰ نے آپ کو جہنم کی آگ سے آزاد فرما دیا ہے۔''

۳: "عن حميد بن أنس قال: جاء جبريل إلى النبي ﷺ بوحي من عند الله عزوجل فقال: يا محمد! إن الله يقرأ عليك السلام ويقول لك: قل لعتيق ابن أبي قحافة: إنه عنه راض."

(أسد الغابة: ۳/ ۲۱۳)

''حضرت حمید بن انس سے روایت ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام اللہ عزوجل کی وحی لے کر نبی ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ بے شک اللہ آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ عتیق جو ابوقحافہ کا بیٹا ہے، کو یہ نوید سنا دو کہ اللہ اس پر راضی ہے۔''

۴: امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"قال الحاكم: أول لقب في الإسلام لقب أبي بكر عتيق." (تاريخ الخلفاء، ص: ٦٦)

''امام حاکم نے فرمایا: اسلام میں سب سے پہلا لقب ''عتیق'' ہے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو عطا ہوا۔''

لقب عتیق کی وجہ تسمیہ:

وجہ اوّل:...... لقب ''عتیق'' کی وجہ تسمیہ امام ترمذی و مؤرخ ابن اثیر رحمہما اللہ کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ نے اس کو جہنم سے آزاد کر دیا ہے۔ کیونکہ ''عتیق'' کا معنی آزاد شدہ ہے، اس لیے آپ کا لقب ''عتیق'' ہے۔

وجہ ثانی:...... حکیم الامۃ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے حسب ذیل وجہ تسمیہ رقم فرمائی ہے:

"إنما سمي أبوبكر عتيقا لأنه لم يكن في نسبه شيء يعاب به، كذا في الاستيعاب."

(إزالة الخفاء، مقصد دوم، ص: ۷)

''ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو عتیق کے لقب سے اس لیے ملقب کیا گیا ہے کہ آپ کے نسب میں کوئی ایسی چیز نہیں پائی گئی جو ان کی والا قدر شخصیت کے لیے عیب ناک ہو۔''

یعنی آپ اپنے عالی حسب کی طرح اپنے نسب میں بھی نجیب الطرفین ہیں۔

شیخ بدیع الزمان خان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شیخ مصعب زبیری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ صدیق اکبر کا یہ لقب ''عتیق'' اس لیے پڑا ہے کہ ان کے نسب شریف میں کوئی عیب نہیں۔ (جامع ترمذی (مترجم): ۲/۶۵۷)

وجہ ثالث:...... "سمي بذلك لعتاقة وجهه وجماله والعتق الجمال. وقيل: إن الذي لقبه به لجمال وجهه رسول الله ﷺ." (الرياض النضرة: ۱/ ٤٧)

یعنی آپ چونکہ بڑے حسین وجمیل، قشنگ چہرہ اور خوبرو تھے، اس لیے آپ کا لقب عتیق پڑ گیا۔ کیونکہ لفظ عتیق ''العتق'' سے مشتق ہے اور ''العتق'' کا معنی خالص الاصل حسن وجمال، شرافت، نجابت اور آزادی ہے۔ ملاحظہ ہو المنجد، ص: ۶۲۹۔ اور مروی ہے کہ آپ بڑے خوب صورت اور حسین چہرے والے تھے، لہٰذا اِس حسن کی وجہ سے خود رسول اللہ ﷺ نے آپ کو اس مبارک لقب سے ملقب فرمایا۔

وجہ رابع:...... صدیق اکبر رضی اللہ عنہ چونکہ بچپن ہی سے کارہائے خیر اور نیک کاموں کے خوگر تھے، اس لیے لوگوں نے آپ کو ''عتیق'' کے لقب سے نواز دیا تھا، جیسا کہ مشہور محدث ابونعیم فضل بن دکین کا قول ہے:

"سمي به بذلك لأنه قديم في الخير."

(الرياض النضرة: ۱/ ٤٧)

مرزا محمد تقی، جو شیعہ مؤرخین میں مشہور ہونے کے علاوہ شاہ قاچار

کے وزیر اعظم بھی تھے، لکھتے ہیں:

’’زید بن حارثہ کے بعد ابوبکر مسلمان ہوئے۔ ان کا نام عبداللہ اور لقب ’’عتیق‘‘ ہے اور کنیت ابوبکر ہے۔‘‘

(ناسخ التواریخ: ٢/ ٥٦٣)

لقب ’’صدیق‘‘ اور لقب ’’عتیق‘‘ اور ان کی وجہ تسمیہ پر مزید تحقیق و تفصیل کتاب فتح الباری شرح صحیح بخاری (٩/٧) میں دیکھی جاسکتی ہے۔

٣: بہ یک وقت چار پشتیں مسلمان:

❀......امام علی بن محمد ابن اثیر تصریح فرماتے ہیں:

"كان أول من أسلم من الرجال وأسلم أبواه له ولوالديه ولولده و ولد ولده صحبة رضي الله عنهم." (أسد الغابة: ٣/ ٢٢٣)

’’(بالغ، آزاد اور معزز) مردوں میں سب سے پہلے صدیق اکبر اسلام لائے۔ آپ کے والدین، آپ کی اولاد اور احفاد (پوتے) بہ یک وقت صحبت رسول سے شرف یاب تھے۔‘‘

❀......امام ابن عساکر تصریح فرماتے ہیں:

"أدرك أبوبكر بن أبي قحافة الصديق رسول الله ﷺ وأبوه أبو قحافة عثمان بن عامر وابنه عبد الرحمن بن أبي بكر الصديق وابن ابنه أبوعتيق محمد بن عبد الرحمن بن أبي بكر الصديق أربعتهم أدركوا رسول الله ﷺ ليست هذه المنقبة لأحد من أصحاب النبي ﷺ.

(تاريخ دمشق: ٣٠/ ١٨)

’’ابوبکر بن ابوقحافہ، ان کے والد بزرگوار ابوقحافہ عثمان بن عامر، ان کے بیٹے عبدالرحمٰن بن ابی بکر اور ان کے پوتے ابوعتیق محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیق بہ یک وقت یہ چاروں گرامی قدر صحابی رسول ہیں رضی اللہ عنہم۔ اور یہ ایسی بزرگی، منقبت اور خصوصیت ہے جو کسی دوسرے صحابی کو نصیب نہیں ہوئی۔‘‘

❀......امام سیوطی رقم طراز ہیں:

"أخرج الطبراني عن موسى بن عقبة قال: لا نعلم أربعة أدركوا النبي ﷺ وأبناء هم إلا هؤلآء الأربعة: أبوقحافة وابنه عبد الرحمن وأبوعتيق بن عبد الرحمن، واسمه محمد."

(تاريخ الخلفاء، ص: ٨٦)

’’موسیٰ بن عقبہ کہتے ہیں کہ ہم صحابہ کرام میں کسی ایسے خاندان کو نہیں جانتے جس کی چار پشتیں مسلسل صحابی ہوں، سوائے حضرت ابوقحافہ کے: ان کے فرزند ارجمند ابوبکر صدیق، ان کے پوتے عبدالرحمٰن بن ابوبکر اور عبدالرحمٰن بن ابوبکر کے فرزند دلبند ابوعتیق محمد، یہ چاروں شخصیتیں صحابی رسول ہیں رضوان اللہ علیہم اجمعین۔‘‘

❀......علامہ بدیع الزماں خان صراحتاً ارقام فرماتے ہیں:

’’یہ فضیلت (خصوصیت) سوائے ابوبکر صدیق کے اور کسی کو نصیب نہ ہوئی کہ ان کی چار پشتیں رسول اللہ ﷺ کی صحبت کے شرف سے مشرف اور نورِ ایمان سے منور ہیں، اور وہ یہ ہیں: حضرت ابوقحافہ، ان کے فرزند خورسند ابوبکر اور ابوبکر کے بیٹے عبدالرحمٰن اور عبدالرحمٰن کے بیٹے ابوعتیق محمد رضی اللہ عنہم۔‘‘

(جامع ترمذی (مترجم): ٢/٦٠٠)

٤: والد محترم کی حیات میں خلیفہ بلافصل:

امام سیوطی حضرت صدیق اکبر کی اولیات گنواتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

"ومنها أنه أول خليفة من ولي الخلافة وأبوه حي." (تاريخ الخلفاء، ص: ٦٥)

’’حضرت صدیق اکبر کی اولیات میں سے ایک یہ بھی اوّلیت ہے کہ آپ پہلے خلیفہ ہیں جو اپنے والد بزرگوار کی حیات میں تخت خلافت پر متمکن ہوئے۔‘‘

اگرچہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا یہ اعزاز اور طرۂ امتیاز آپ کی اولیات میں ایک نمایاں اوّلیت ہے مگر یہ امتیاز اور شرف اور کسی صحابی کی قسمت میں نہیں ہوا، اس لیے یہ اعزاز ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خصوصیت کا بھی حکم رکھتا ہے۔

۵: ہر کام میں گوئے سبقت:

ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ہر کارِ خیر میں سبقت کنندہ بھی آپ ہی ہیں۔ اس قسم کی کئی ایک روایات جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں، پیش خدمت ہیں:

۱: "عن أبي هاشم القاسم بن كثير عن قيس الخارفي قال: سمعت عليا يقول: سبق رسول الله ﷺ وصلي أبوبكر وثلّث عمر ثم خبطتنا أو أصابتنا فتنة فما شاء الله أو أصابتنا فتنة يعفو الله عمن يشآء." إسناده صحيح. (مسند أحمد: ١/ ١٢٤، التاريخ الكبير للبخاري: ٤/ ١٧٢، تاريخ بغداد: ١٤/ ٣٥٧، حلية الأولياء لأبي نعيم الأصفهاني: ٥/ ٨٧، المستدرك على الصحيحين للحاكم: ٤/ ١٢)

"ابو ہاشم قاسم بن کثیر روایت کرتے ہیں قیس خارفی سے، قیس خارفی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سنا وہ کہہ رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے (وفات میں) سبقت فرمائی، پھر دوسرے مقام پر ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے، ان کے بعد تیسرے نمبر پر عمر بن خطاب کی تشریف آوری ہوئی۔ ان کی شہادت کے بعد ہم کو گوناگوں فتنوں نے ششدر اور پریشان کر دیا یا بہ الفاظ دیگر ہم کو فتنوں نے دبوچ لیا، پھر جو اللہ تعالیٰ نے چاہا وہی ہوا۔ یا ہم پر فتنے آ پہنچے، پس اللہ تعالیٰ جسے چاہے معاف فرما دے گا۔"

۲: امام سیوطی رحمہ اللہ ارقام فرماتے ہیں:

"وأخرج الطبراني في الأوسط عن علي رضي الله عنه قال: والذي نفسي بيده، ما استبقنا إلى خير قط إلا سبقنا إليه أبوبكر."

(تاريخ الخلفاء، ص: ٥١)

"امام طبرانی نے اپنی کتاب "المعجم الاوسط" میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس ذات والا صفات کی قسم کہ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، ہم نے جب بھی کسی نیک کام کی طرف قدم بڑھانے اور سبقت حاصل کرنے کا ارادہ کیا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کارِ خیر میں ہم سے گوئے سبقت لے گئے۔"

۳: شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ ارقام فرماتے ہیں:

"عن أسيد بن صفوان وكان قد أدرك النبي ﷺ قال: لما قبض أبوبكر سجّي عليه وارتجّت المدينة بالبكاء عليه كيوم قبض رسول الله ﷺ فجاء علي مسترجعا وهو يقول: انقطعت خلافة النبوة. (إلى أن قال علي رضي الله عنه: كنت) أكثرهم مناقب وأفضلهم سوابق."

(إزالة الخفاء: ١/ ٦٩)

"حضرت اسید بن صفوان سے مروی ہے اور انھوں نے نبی ﷺ کا زمانہ پایا ہے، یعنی صحابی ہیں، وہ کہتے ہیں: جب ابوبکر فوت ہو گئے اور ان کو کپڑوں میں لپیٹ دیا گیا اور مدینہ منورہ آہ و بکا سے لرز گیا اور غم واندوہ کے اعتبار سے یہ دن رسول اللہ ﷺ کی وفات کا صدمہ یاد دلا رہا تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتے ہوئے تشریف لائے اور کہنے لگے کہ ابوبکر کی وفات سے خلافت علی منہاج النبوت اپنی عمر پوری کر چکی، پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مناقب ومحاسن بیان کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا: ہر کار خیر میں سبقت حاصل کرنے میں سب سے اعلیٰ اور سب سے آگے تھے۔"

۴: ابوطالب محمد بن علی العشاری (متوفی ۴۵۱ھ) رقم طراز ہیں:

"حدثني عبد الله بن عمر رضي الله عنه لما ولي علي بن أبي طالب قال له رجل: يا أمير المؤمنين! كيف تخطاك المهاجرون والأنصار إلى أبي بكر وأنت أكرم منقبة وأقدم سابقة، فقال له: لو لا أن المؤمنين عائذة الله لقتلتك، ولئن بقيت لتأتينك روعة الخضراء، ويحك! إن أبابكر سبق إلى أربع لم أوتهن ولم أعتض منهن: إلى مرافقة الغار، وإلى تقدم الهجرة، وإني آمنت صغيرا وآمن كبيرا، وإلى اقام الصلاة." (فضائل الصديق، ص: ٤)

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو کسی نے کہا: اے امیر المومنین! آخر کیا وجہ تھی کہ مہاجرین اور انصار نے آپ کو چھوڑ کر ابوبکر کو خلیفہ مان لیا جب کہ آپ فضیلت میں ان سے بڑے اور اسلام لانے میں بہت آگے تھے؟ حضرت علی نے کہا: اگر مومن لوگ اللہ کے پناہ یافتہ نہ ہوتے تو میں تجھے قتل کر دیتا۔ اگر تُو زندہ رہا تو تجھے سخت پریشان رکھوں گا، یعنی تجھے میری طرف سے ایسا خطرہ رہتا جو تجھے اس غلط خیال سے روک دیتا۔ تیرا ستیاناس! ابوبکر مجھ سے ایسے چار اعزاز حاصل کر لینے میں سبقت لے گیا جن کی میں تلافی نہ کرسکا: (۱) یارِ غار قرار پانے میں۔ (۲) مجھ سے پہلے ہجرت کرنے میں۔ (۳) میں بچپن میں ایمان لایا جب کہ وہ ایمان لاتے وقت جوان اور صاحب رائے تھے۔ (۴) نماز قائم کرنے میں۔''

۵: امام ابن عبدالبر ارقام فرماتے ہیں:

"عن أسيد بن صفوان وكانت له صحبة بالنبي ﷺ قال: لما توفي أبوبكر رضي الله عنه ورجت المدينة بالبكاء ودهش الناس كيوم قبض النبي ﷺ جاء علي بن أبي طالب مسرعا باكيا مسترجعا وهو يقول: اليوم انقطعت خلافة النبوة حتى وقف على باب البيت الذي فيه أبوبكر رضي الله عنه، ثم قال: رحمك الله يا أبابكر! كنت أول القوم إسلاما وأخلصهم إيمانا وأكثرهم يقينا (إلى أن قال:) وأكثرهم سوابق." (الاستيعاب: ١/ ٢٣٨ طبع بيروت، أسد الغابة في معرفة الصحابة: ١/ ٢٣٨ طبع بيروت، رياض النضرة: ١/ ١٨٣، ١٨٤، الإصابة في تمييز الصحابة لابن حجر: ١/ ٢٣٢)

''اسید بن صفوان جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ انتقال فرما گئے تو مدینہ منورہ آہ وبکا کی وجہ سے لرز گیا اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس طرح حیران وپریشان ہوگئے جس طرح رسول اللہ ﷺ کی وفات کے روز مضطرب ہوگئے تھے۔ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ جلدی جلدی گریہ کرتے ہوئے اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتے ہوئے تشریف لائے اور کہنے لگے: آج کے روز نبوت کی (بلافصل) خلافت کا اختتام ہوگیا۔ اور جس مکان میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی چارپائی رکھی گئی تھی اس کے دروازے پر کھڑے ہو کر فرمانے لگے: اے ابوبکر رضی اللہ عنہ! اللہ تعالیٰ آپ پر رحمت نازل فرمائے آپ تمام صحابہ سے اسلام لانے میں سابق تھے، ایمان میں مخلص، یقین میں زیادہ اور (نیکی کے کاموں میں) سب سے زیادہ سبقت لے جانے والے تھے۔''

۶: علامہ جار اللہ زمخشری ارقام فرماتے ہیں:

"لما مات (أبوبكر) قام علي بن أبى طالب على باب البيت الذي هو مسجى فيه، فقال: كنت والله للدين يعسوبا أولا حين نفر الناس عنه، وآخرا حين فيلوا وطرت بُعباها وفزت بحبابها وذهبت بفضائلها، وكنت كالجبل لا تحركه العواصف ولا تزيله القواصف." (الفائق في غريب الحديث: ٢/ ١٢١ طبع بيروت)

یعنی حاصل کلام یہ کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وفات

پا گئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اس مکان کے دروازے پر جس میں صدیق اکبر کی نعش چادر میں لپیٹی ہوئی تھی، تشریف فرما ہوئے اور ابوبکر صدیق کو مخاطب ہو کر کہنے لگے: اللہ عزوجل کی قسم! آپ دین کیے لیے اوّلین مراحل میں سبقت کرنے والے اور دین کے رئیس تھے جب کہ دوسرے لوگ دین کو ناپسند کرتے تھے۔ اور آخر دور میں بھی آپ پیش پیش رہے جب کہ دوسرے لوگ ضعیف اور بزدل بنے ہوئے تھے مگر آپ اس وقت بھی اسلام کے جام شیریں سے خوب شادکام تھے اور آپ نے اپنی انتہائی کوشش سے مکمل اسلام کو اپنایا ہوا تھا اور اس کے سارے فضائل اپنے دامن میں سمیٹ لیے تھے۔ آپ دوسروں کے برعکس دینی معاملات واحکام شرعی کی اقامت میں اس پہاڑ کی طرح ڈٹے رہے جس کو تندو تیز ہوائیں اپنی جگہ سے ہلا نہ سکیں اور توڑ ڈالنے والی آندھیاں اپنی جگہ سے سرکا نہ سکیں۔

۷: علامہ بدیع الزماں خاں ارقام فرماتے ہیں:

''حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہر چیز (نیکی) میں سبقت فرماتے تھے یہاں تک کہ صحابہ کرام میں آپ کا لقب ''السباق الخیر'' ہوگیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو ''سابق بالخیر'' کے الفاظ سے یاد فرماتے تھے۔ (جامع ترمذی (مترجم):۲/۶۶۰) (جاری ہے)

بقیہ: غنیة الباری

تو ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپ اکثر اس ستون کے پاس (سامنے) نماز پڑھتے تھے۔''

فائدہ: اس لیے کہ یہ ستون اس لکڑی سے بنا تھا جسے عموماً لوگ جنگل میں سترہ بنایا کرتے تھے اور یہ بھی کہ یہ ستون اِدھر اُدھر نہیں کیا جاسکتا تھا کہ صفوں میں خلل پڑتا۔ فقہاء نے کہا ہے کہ بت پرستوں کی مشابہت سے بچنے کے لیے سترے کو ناک برابر نہیں رکھنا چاہیے۔

ضروری اعلان

ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور میں مضامین ارسال کرنے والے خواتین وحضرات درج ذیل باتوں کا ضرور خیال فرمایا کریں:

- مضمون کاغذ کی ایک طرف لکھا ہو، صاف ستھرا اور حاشیہ چھوڑ کر لکھیں۔
- مضمون مدلل، باحوالہ، آیت، حدیث اور کتب کے نام وصفحہ نمبر مکمل تحریر فرمائیں۔
- جلسوں، کانفرنسوں کے اشتہارات یا اعلانات بھیجنے والے احباب اس کا اعلان جلسہ یا کانفرنس کے انعقاد سے پندرہ دن پہلے ارسال کردیا کریں، نیز ان جلسوں یا تقاریب کی رپورٹ وغیرہ شائع کرنے سے ادارہ قاصر ہے۔
- مضمون ارسال کرنے والے شائع ہونے کے لیے اپنی باری کا انتظار کیا کریں نیز غیر معیاری مضامین کی اشاعت سے اداہ معذرت خواہ ہے۔ امید ہے قارئین دفتر الاعتصام سے تعاون کریں گے۔ (منیجر)

معلومات داخلہ برائے سعودی یونیورسٹی

وہ حضرات جنھوں نے پچھلے پانچ سالوں میں ایف اے یا اس کے مساوی، یا کسی دینی مدرسے سے العالیة کی سند حاصل کی ہو اور ان کی عمر ۲۳ سال سے زائد نہ ہو، یا پچھلے پانچ سالوں میں بی اے کی سند حاصل کی ہو اور عمر ۳۰ سال سے زائد نہ ہو۔

رابطہ: پروفیسر ڈاکٹر رانا خالد مدنی (فاضل مدینہ یونیورسٹی پی ایچ ڈی) سابق مترجم مواجہ شریفہ، مسجد نبوی، مدینہ منورہ، چیئرمین ادارہ اشاعت اسلام لاہور۔ رابطہ: 0306-4476055

سیرت صحابیات

حضرت سبیعہ اسلمیہ رضی اللہ عنہا

ڈاکٹر زاہدہ شبنم، اسسٹنٹ پروفیسر لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی، لاہور

سبیعہ بنت حارث اسلمیہ رضی اللہ عنہا صحابیہ ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کو ہجرت کا اعزاز بھی حاصل ہے اگرچہ سیرت اور رجال کی کسی کتاب میں ان کی ہجرت کا بالصراحت ذکر نہیں کیا گیا لیکن ابن سعد نے انھیں "المهاجرات المبايعات" کی فہرست میں شامل کیا ہے۔ اور انھوں نے حضرت سبیعہ اسلمیہ رضی اللہ عنہا کو ان عرب مسلمات میں شامل کیا ہے جن کے احوال ذاتیہ سے مکمل طور پر آگاہی نہیں ہوسکی۔

(الاستيعاب: ٨/٣٦٣، ٣٦٤)

اگرچہ آپ رضی اللہ عنہا کا قبیلہ مجہول ہے لیکن مختلف کتب رجال میں حالات پڑھنے پر راقمہ کا خیال اسی طرف گیا ہے کہ وہ ''قریشی'' ہوسکتی ہیں، اصل حال تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

آپ رضی اللہ عنہا کی شادی سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ ان کے بارے میں ایک روایت میں تصریح موجود ہے کہ وہ بدر میں حاضر ہوئے تھے۔ (صحيح بخاري، رقم الحديث: ٥٣١٨)

جناب سعد رضی اللہ عنہ قبیلہ بنی عامر بن لوی میں سے تھے اور حجۃ الوداع میں فوت ہوگئے تھے۔ حضرت سبیعہ رضی اللہ عنہا نے چند دن بعد بچے کو جنم دیا، ایام کی تعیین میں شدید اختلاف ہے۔ کسی روایت میں بیس راتیں، کسی میں نصف ماہ یعنی پندرہ دن (نسائي، رقم الحديث: ٣٥٣٩)، کسی میں بیس سے زائد (ابن ماجه، رقم الحديث: ٢٠٢٧)، کسی میں پچیس دن (ابن ماجه، رقم الحديث: ٢٠٢٨)، کسی میں ۲۳، ۲۵ دن (نسائي، رقم الحديث: ٣٥٣٦)، کسی میں چالیس راتیں (صحيح بخاري، رقم الحديث: ٤٩٠٩)، کسی روایت میں دو ماہ (مسند أحمد: ٦/ ٤٠٨) اور کسی میں چار ماہ کے قریب قریب (مسند أحمد: ٦/ ٤٠٨) کے الفاظ آئے ہیں۔

مولانا صفی الرحمان مبارک پوری رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

"والجمع بين هذه الروايات متعذر."

(منة المنعم شرح صحيح مسلم: ٢/ ٤٥٣)

''ان روایات کے مابین جمع و تطبیق مشکل ہے۔''

اگرچہ کوئی ایسا پہلو موجود نہیں جسے اصول تطبیق کے قریب پایا جائے، البتہ سات مختلف عدد میں چار کے عدد ایک ماہ سے کم کی مدت ظاہر کررہے ہیں، اس لیے اس بات کو ترجیح دی جاسکتی ہے کہ یہ مدت ایک ماہ سے کم ہی تھی۔ اور دوسرے یہ کہ زیادہ تر روایات میں بیس سے تیس کے درمیان کے اعداد ہیں، لہٰذا راجح یہی ہوگا کہ یہ عرصہ ۲۰-۳۰ ایام کا تھا۔

بہرحال آپ رضی اللہ عنہا نے نئے نکاح کے لیے اپنے آپ کو تیار کیا اور عدت میں جس بناؤ سنگھار کی اجازت نہیں ہوتی وہ کیا۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا نے سرمہ لگایا اور اسی طرح کی دوسری زینت لگائی۔ ابوالسنابل بن بعکک رضی اللہ عنہ کو اندازہ ہوا تو انھوں نے آپ رضی اللہ عنہا پر اعتراض کیا کہ آپ رضی اللہ عنہا عدت کے دوران نکاح نہیں کرسکتیں جو کہ چار ماہ اور دس دن ہے۔ (صحيح مسلم، رقم الحديث: ٣٧٢٢)

آپ رضی اللہ عنہا کو ابوالسنابل نے بین السطور، نکاح کا پیغام بھی دیا۔

(منة المنعم: ٢/ ٤٥٤)

اس کے علاوہ آپ رضی اللہ عنہا کو ایک اور نوجوان نے بھی نکاح کی پیشکش کی جو آپ رضی اللہ عنہا کے قبیلے کا تھا۔ (منة المنعم: ٢/ ٤٥٤)

چونکہ آپ رضی اللہ عنہا کا رُخ مؤخر الذکر کی طرف تھا (نسائي، رقم الحديث: ٣٥٤٠)، لہٰذا آپ رضی اللہ عنہا نے ابوالسنابل کو انکار کردیا۔

ایک روایت میں ابوالسنابل کی بجائے اعتراض کرنے والا انھی کا

دیور بتایا گیا ہے لیکن شارحین نے ان الفاظ کی ابوالسنابل ہی کی طرف نسبت کی ہے۔ موطأ کی روایت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ابوالسنابل نے یہ الفاظ آپ رضی اللہ عنہا کو اس نوجوان سے نکاح سے روکنے کے لیے کہے تھے تا کہ آپ رضی اللہ عنہا کے غیر موجود اہل خانہ واپس آئیں اور ان کے آنے پر شاید قرعہ ابوالسنابل کے نام نکل آئے۔

(نسائي، رقم الحديث: ٣٥٤٠)

لیکن آپ فوراً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس استفتا کے لیے تشریف لے گئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم حلال ہو، شادی کر سکتی ہو۔''

بعض لوگوں نے ابوالسنابل کے ترجمے میں لکھا ہے کہ انھوں نے سبیعہ رضی اللہ عنہا سے شادی کر لی تھی اور ان کا ایک بچہ بھی تھا۔ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس بات کو رد کیا ہے۔ ابوالسنابل بنی عبدالدار کے شخص تھے جو فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے۔ (تهذيب التهذيب: ٦/ ٣٥٥)

حضرت سبیعہ بنت حارث رضی اللہ عنہا ایک جرأت مند خاتون تھیں، جیسا کہ ان کے احوال سے نظر آ رہا ہے۔ علاوہ ازیں ان کا یہ طویل واقعہ ان کی فقاہت پر دلالت کرتا ہے کہ انھوں نے مقاصدِ عدت پر غور کیا اور انھی مقاصد کے پیش نظر انھوں نے قیاس کیا کہ ان کا عرصۂ عدت ختم ہو گیا ہے۔ جب ان پر اعتراض کیا گیا تو انھوں نے اپنے ''تفقه في الدين'' کے باعث بغیر کسی پختہ دلیل کے رجوع کرنے سے عملاً انکار کر دیا اور شام ہوئی تو اپنے پردے کا اہتمام کیا۔

(صحيح مسلم، رقم الحديث: ٣٧٢٢)

اور استفتا کے لیے شارع علیہ السلام سے رجوع کیا۔ یہ عمل ان کے جذبۂ حصولِ علم کے ساتھ ساتھ اپنے عمل و فقاہت کو اللہ کی رضامندی کے تحت کرنے کی حقیقی اور سچی کوشش ہے اور یہی کوشش صحابہ رضی اللہ عنہم کو اپنے بعد کے تمام افرادِ اسلام سے ممتاز کرتی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا ایک پڑھی لکھی خاتون تھیں اور کتابت جانتی تھیں۔

(ابن ماجه، رقم الحديث: ٢٠٢٨)

آپ رضی اللہ عنہا نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بلاواسطہ روایت کیا ہے اور آپ رضی اللہ عنہا سے روایت کرنے والوں میں مدینہ اور کوفہ کے فقہاء میں سے عمر بن عبداللہ بن ارقم، مسروق بن اجدع، زفر بن اوس، عبید ابوسعر یہ، عمرو بن عتبہ بن فرقد شامل ہیں۔

(تهذيب التهذيب: ٦/ ٥٤٥)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بھی ان سے ایک روایت بیان کی ہے جس میں مدینہ کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد: ٣/ ٣٠٦ طبع دار الكتب العلميه، بيروت)

عقیلی نے اس بات کا انکار کیا ہے، ان کا خیال ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت کسی اور سبیعہ اسلمیہ سے ہے جو حدیبیہ کے واقعہ کے بعد مسلمان ہوئی تھی، ابن عبدالبر نے عقیلی کے اس خیال کی حمایت نہیں کی۔ (الاستيعاب: ٤/ ١٨٥٩)

ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے بھی تہذیب میں سبیعہ اسلمیہ رضی اللہ عنہا کے ترجمے میں یہ بات دہرائی ہے۔ (تهذيب التهذيب: ٦/ ٥٤٥)

لیکن انھوں نے ''تہذیب التہذیب'' میں کسی دوسری خاتون صحابیہ کا جن کا نام سبیعہ ہو، تذکرہ نہیں کیا، البتہ انھوں نے الاصابہ میں یہ روایت کسی دوسری سبیعہ کے ترجمے میں درج کی ہے اور اس پر اختلاف کا بھی تفصیلی ذکر کیا ہے۔ (الإصابة: ٨/ ١٧٣)

ابن کثیر رحمہ اللہ نے یہ روایت انھی کی مسند میں جمع کی ہے۔

(جامع المسانيد والسنن: ٥/ ٤٧٠٨، ٤٧١٠)

حضرت سبیعہ اسلمیہ رضی اللہ عنہا کی مرویات سے مستفاد نکات:

حضرت سبیعہ رضی اللہ عنہا کی مرویات صحیحین میں موجود ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا سے ابن حزم کے مطابق بارہ (۱۲) روایات مروی ہیں۔

(جوامع السيرة، ص: ٢٨٥)

لیکن ابن عمر رضی اللہ عنہ کی متنازع فیہ روایت کے بغیر سب ان کے اسی واقعہ پر مشتمل ہیں جس سے درج ذیل مسائل اخذ کیے گئے ہیں:

۱: وفات پا جانے والے شوہر کی بیوہ کی عدت چار ماہ اور دس دن ہے۔
۲: لیکن حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہوگی۔
۳: بیوہ عورت عدت پوری ہونے پر زیب زینت کر سکتی ہے۔
۴: دورانِ عدت عورت کسی قسم کی زیب و زینت نہیں کر سکتی حتی کہ

سرمہ وغیرہ بھی نہیں لگاسکتی۔ اس سے ثابت ہوا کہ سرمہ بھی سامانِ زینت میں شامل ہے۔

۵: عورت شادی کی عمر تک پہنچنے پر منگنی وغیرہ کے لیے زیب وزینت کے مقصد سے بناؤ سنگھار کرسکتی ہے کیونکہ حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت سبیعہ رضی اللہ عنہا کو زیبائش سے منع نہیں کیا۔ اور حدیث سے یہ مفہوم بھی سمجھ میں آتا ہے کہ انھوں نے یہ تزئین رشتے کے حصول کے لیے کی تھی۔

۶: سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ بدری صحابی تھے جو حجۃ الوداع کے دوران فوت ہوگئے۔

۷: اپنے عمل کو قرآن وسنت کے مطابق بنانے کے لیے فتویٰ لینا ضروری ہے۔

۸: قیاس کو قرآن وسنت پر ترجیح حاصل نہ ہوگی بلکہ فتوے کے ذریعے قیاسات کی تصدیق وتکذیب کی جائے گی۔

بقیہ: تفسیر سورۂ یسٓ

صحیح یہی ہے کہ اس کا محل دل ہے۔ قرآنِ مجید میں بھی محلِ عقل دل کو ہی قرار دیا ہے، چنانچہ سورۃ الحج میں ہے:

﴿اَفَلَمۡ یَسِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَتَکُوۡنَ لَهُمۡ قُلُوۡبٌ یَّعۡقِلُوۡنَ بِهَاۤ اَوۡ اٰذَانٌ یَّسۡمَعُوۡنَ بِهَا فَاِنَّهَا لَا تَعۡمَی الۡاَبۡصَارُ وَ لٰکِنۡ تَعۡمَی الۡقُلُوۡبُ الَّتِیۡ فِی الصُّدُوۡرِ﴾ [الحج: ٤٦]

''پھر کیا یہ لوگ زمین پر چلے پھرے نہیں کہ ان کے لیے ایسے دل ہوں جن کے ساتھ وہ سمجھیں یا کان ہوں جن کے ساتھ وہ سنیں، پس بے شک قصہ یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتی اور لیکن وہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔''

اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿لَهُمۡ قُلُوۡبٌ لَّا یَفۡقَهُوۡنَ بِهَا وَلَهُمۡ اَعۡیُنٌ لَّا یُبۡصِرُوۡنَ بِهَا﴾ [الأعراف: ١٧٩]

''ان کے دل ہیں جن کے ساتھ وہ سمجھتے نہیں اور ان کی آنکھیں ہیں جن کے ساتھ وہ دیکھتے نہیں۔''

علامہ فیروز آبادی فرماتے ہیں: ''عقل ایک نور ہے جس سے علوم ضروریہ اور نظریہ کا اِدراک حاصل کرتا ہے۔''

امام غزالی فرماتے ہیں:

''دل چشمے کی مانند ہے اور اس میں عقل کا عمل دخل اسی طرح ہے جیسے آنکھ میں قوت بصری کا ہے۔'' (احیاء علوم الدین: ۱۶/۳)

اس آیت میں عقل کی نفی کا یہی مفہوم ہے۔ تمھیں تمھارے دشمن سے خبردار کردینے کے باوجود تم اسی کے ہم نوا بنے ہوئے ہو، اس سے بڑی حماقت اور کیا ہوگی۔ قیامت کے روز اعتراف کریں گے:

﴿لَوۡ کُنَّا نَسۡمَعُ اَوۡ نَعۡقِلُ مَا کُنَّا فِیۡۤ اَصۡحٰبِ السَّعِیۡرِ﴾ [الملك: ١٠]

''اگر ہم (اللہ اور اس کے رسول کی بات) سنتے یا سمجھتے ہوتے تو بھڑکتی ہوئی آگ والوں میں سے نہ ہوتے۔''

یہاں سمعی دلائل سے نفی کے ساتھ عقل کی نفی سے مراد یہی انفسی وآفاقی دلائل سے بے اعتنائی ہے۔

زہد وتصوف اسلام کی نظر میں

ڈاکٹر عبدالرحمٰن بن عبدالجبار فریوائی

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿تَبَارَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ نِۨ ○ الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا وَّهُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ ○﴾ [الملك: ۱،۲]

''بڑی برکت والا ہے وہ خدا جس کے ہاتھ میں تمام ملک کی حکومت ہے اور وہ ہر ایک کام پر قادر ہے۔ وہی ہے جس نے موت اور حیات پیدا کی تا کہ تم کو جانچے کہ تم میں سے کون اچھے کام کرنے والا ہے اور وہ بڑا غالب اور بخشش والا ہے۔''

چونکہ دنیا کی زندگی انسان کی آزمائش اور امتحان کا مقام ہے، اس لیے حکمتِ الٰہی کا تقاضا ہوا کہ دنیا کو قسم قسم اور مختلف شکل کے فتنوں اور پُرفریب چیزوں سے پُر کر کے شیطان کو گمراہ کرنے کی مہلت دے۔ پھر انسانی طبیعت میں دنیا کی محبت اور دنیا کے فتنوں پر فریب خوردگی کو راسخ کردے، یعنی مال واولاد کی زیادتی اور انواع واقسام کی خواہشات میں مبتلا کردے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے نبیوں اور رسولوں کو مبعوث کیا، انھیں بینات دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کیا تا کہ لوگ انصاف قائم کریں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ○﴾ [الجمعة: ۲]

''اسی (اللہ) نے ان (قریش کے) ناخواندہ لوگوں کے اندر خود ان میں سے ایک رسول بھیجا جو اس کی آیتوں کو پڑھ کر انھیں سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے، ورنہ اس سے پہلے تو یہ لوگ کھلی گمراہی میں تھے۔''

چنانچہ اُن انبیاء ورسل نے پیغاماتِ الٰہی کی تبلیغ، نفوس کا تزکیہ وتربیت اور کتاب وحکمت کی تعلیم کا کام انجام دیا۔ ان ساری چیزوں سے ان کا مقصد یہ تھا کہ انسانیت کو شریعت کے مطابق اللہ تعالیٰ کی عبادت کی دعوت دیں۔

چونکہ ہمارے نبی اکرم ﷺ اپنی امت کی فلاح وبہبود کے آرزو مند اور متمنی تھے، اس لیے آپ ﷺ نے اپنی امت کی ہدایت وراہنمائی کے لیے ہر ممکن کوشش فرمائی۔ آپ ﷺ نے ازراہِ شفقت ورحمت اپنی امت کی دینی تربیت کی، ان کو دنیا کے فتنوں اور فریب کاریوں سے آگاہ کیا، نیز دنیوی مصالح اور دنیوی امور میں دلچسپی کی حد بندی فرمائی اور دنیاداری کے عواقب اور خطرناک نتائج سے امت کو آگاہ کیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان ساری ہدایات کو حرزِ جاں بنایا اور انھیں آئندہ نسلوں تک پہنچایا۔

چونکہ علمائے حق انبیائے کرام کے وارث ہیں، اس لیے انھوں نے امت کی خیر خواہی اور امت پر شفقت ومہربانی کو ملحوظ رکھتے ہوئے رشد وہدایت کا یہ وظیفہ انجام دیا اور اس سلسلے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی۔ انھوں نے عقائد اور اعمال کے باب میں امت کی تعلیم وتربیت کی خاطر انواع واقسام کی کتابیں لکھیں اور چونکہ دنیوی زندگی کی فریب کاریوں کی کثرت، شیطان کی گمراہ کردگی کی زیادتی اور انسانی ارادے کی کمزوری کے باعث نفوس کی تربیت وتزکیے کا کام ایک دائمی ضرورت تھا۔ بنا بریں انھوں نے عنانِ توجہ اس علم (اصلاح ورُشد) کی جانب موڑی اور سے اپنی نگارشات میں کافی اہمیت دی اور اس پر مستقل کتابیں لکھیں تا کہ انسان کو مندرجہ ذیل دو چیزیں یاد دلائیں:

۱: یہ کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کی عمر کے بارے میں سوال ہوگا کہ کن چیزوں میں اسے صرف کیا؟ اور اس کے علم کے متعلق سوال ہوگا کہ اس کے مطابق کیا عمل کیا؟ اور اس مال کے متعلق سوال ہوگا کہ کہاں سے کمایا؟ اور کس چیز میں اسے خرچ کیا؟ اور اس کے جسم کے متعلق سوال ہوگا کہ اس نے اپنی جسمانی طاقت کس چیز میں خرچ کی؟ اور اس کی جوانی کے متعلق سوال ہوگا کہ کس کام میں اسے کھپایا؟ [1]

تاکہ معاشرہ اپنے نظریۂ حیات اور طریقۂ کار سے غافل نہ ہو اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ۝﴾ [الذاريات: ٥٦]

''اور میں نے جن اور انسان کو محض اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔''

۲: یہ کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے تاکہ ہر شخص قیامت کے دن رضائے الٰہی حاصل کرنے کی پوری کوشش کرے۔

تزکیۂ نفس اور اصلاح و تربیت کے باب میں زہد، رقاق اور ادب کے عنوان سے اِس کثیر تعداد میں کتابیں لکھی گئی ہیں کہ اُن کا شمار ایک مشکل کام ہے اور ان کتابوں کا موضوع زہد، رقاق، ادب اور اخلاق کی حدیثوں کو جمع کرنا ہے۔

زہد کے مراجع و مآخذ:

زہد کے مراجع و مآخذ مندرجہ ذیل ہیں:

۱: قرآنِ کریم۔ ۲: اقوالِ مفسرین۔

۳: احادیث نبویہ۔

۴: زہد انبیائے کرام عليهم الصلاة والسلام.

۵: آثار سلف، یعنی صحابہ، تابعین اور ان کے بعد والے حضرات۔

چونکہ زہد اور تصوف کا موضوع علمی اور دینی حلقوں میں بڑا ہی مختلف فیہ موضوع رہا ہے، لہٰذا میں نے مناسب سمجھا کہ محقق علمائے اہل سنت کے آراء و افکار کی روشنی میں صحیح نقطۂ نگاہ کی توضیح کے لیے اس موضوع پر کچھ خامہ فرسائی کروں اور اس مقالے میں مشروع اور مطلوب زہد کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ فلسفیانہ اور اصحابِ طرق وسلاسل کے تصوف کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔ اور زمانۂ قدیم سے علمائے اسلام کے نزدیک اس علم (زہد و تصوف) کی جو اہمیت رہی ہے اس کو بیان کرنے کی غرض سے میں نے اس کتاب کے آخر میں محدثین کرام وغیرہ کی زہد، ورع اور رقاق سے متعلق تالیفات کا تذکرہ بھی کر دیا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ سے پُر اُمید اور دعا گو ہوں کہ وہ ہمیں تفقہ فی الدین عطا فرمائے اور اُن چیزوں کی توفیق بخشے جو اس کے نزدیک محبوب و پسندیدہ ہیں۔

زہد کے لغوی معنیٰ:

زہد کے لغوی معنیٰ کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

❀...... زُهِدَ فيه وعنه۔ زُهدا وزهادة'': کسی چیز سے اعراض کرنا اور اس کو چھوڑ دینا، اسے حقیر سمجھ کر یا اس سے بچاؤ اور پرہیز کرتے ہوئے یا اس کی قلت کی وجہ سے۔

❀...... ''زَهُدَ في الشيء'': اعراض کرنا۔ اور کہا جاتا ہے: ''زهد في الدنيا'' یعنی حساب کے ڈر سے دنیا کی حلال چیزوں کو چھوڑ دینا اور عقاب کے خوف سے دنیا کی حرام چیزوں کو ترک کر دینا۔

❀...... ''تزهَّد'': زاہد ہونا اور عبادت گزار بننا۔

❀...... ''الزاهد'': زاہد بہ معنیٰ عابد ہے اور اس کی جمع ''زُهَّد'' اور ''زُهَّاد'' ہے۔

❀...... ''الزهادة في الشيء'' رغبت اور خواہش کے برخلاف اور جن چیزوں کا حلال ہونا یقینی ہے ان میں سے تھوڑی مقدار پر راضی ہونا اور باقی کو ترک کر دینا محض اللہ تعالیٰ کے لیے۔

---

[1] یہ حدیث صحیح لغیرہ ہے اور ابو برزہ، ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ ملاحظہ ہو کتاب الزهد لوكيع بن الجراح، رقم الحديث: ١٠ یہ کتاب راقم کی تحقیق کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔ نیز ملاحظہ ہو سلسلة الأحاديث الصحيحة للألباني: ٢٠ / ٦٦٧.

اور اسی طرح زہد، زہادۃ کے معنی میں ہے۔(القاموس: ۱/ ۳۰۸، أساس البلاغة: ۱۹۷، النهاية: ۲/ ۳۲۱، المعجم الوسيط: ۱/ ۴۰۴،۴۰۵)

زہد کے اصطلاحی معنی:

زہد کے اصطلاحی معنی کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

❀......زہد سے مراد رغبت کا ایک چیز سے ایک ایسی دوسری چیز کی جانب پھر جانا جو پہلے سے بہتر ہو اور مرغوب عنہ (یعنی جس سے رغبت پھیری گئی ہے) کی شرط یہ ہے کہ وہ کسی نہ کسی طرح سے مرغوب ہو، لہٰذا اگر کوئی شخص ایسی چیز سے اعراض کرے جو فی نفسہٖ مرغوب ومطلوب نہ ہو تو اسے زاہد نہیں کہا جائے گا، جیسے کوئی شخص مٹی چھوڑ دے تو وہ زاہد نہیں کہلائے گا۔

اور زہد یہ نہیں ہے کہ مال ودولت کو ترک کر دیا جائے اور اس کو محض سخاوت، قوت اور قلبی میلان کی بنا پر خرچ کیا جائے بلکہ زہد یہ ہے کہ آخرت کی اچھائی کے لیے دنیا کی ذلت وحقارت کا یقین کر کے اسے ترک کر دیا جائے۔(مختصر منهاج القاصدين، ص: ۳۲۴ بتصرف)

❀......شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”زہد نام ہے غیر مفید چیز سے اعراض کرنے کا، یا تو اس کا نفع مفقود ہونے کی وجہ سے یا اس کا نفع مرجوح ہونے کی وجہ سے کیونکہ وہ غیر مفید چیز ایسی چیز کے فوت ہو جانے کا باعث ہے جو اس سے زیادہ نفع بخش ہے یا ایسی چیز کی تحصیل کا باعث ہے جس کا ضرر اس کے نفع پر غالب ہے۔ لیکن جو چیزیں خالص نفع بخش ہیں یا جن کا نفع راجح ہے، ان کے متعلق زہد اختیار کرنا (یعنی ان سے اعراض کرنا) حماقت ہے۔“ (فتاویٰ شیخ الاسلام: ۶۱۵/۱۰)

ورع کے لغوی معنی:

ورَع کے لغوی معنی کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

❀......”ورع يرع ورعا وورعا ورعة“: حرام چیزوں سے بچنا، پھر بہ طور استعارہ مباح وحلال چیز سے رک جانے کے معنی میں استعمال کر لیا گیا۔ اس کی صفت فاعلی وَرِعٌ اور متورّع ہے۔

❀......”ورِع يورَع ويورِع“: پرہیزگار ہونا۔

❀......”تورع من الأمر وعنه“: بچنا۔

❀......”الورع“: (مصدر) تقویٰ اختیار کرنا۔(القاموس: ۹۶/۳، أساس البلاغة: ۴۹۶، المعجم الوسيط: ۲/ ۱۳۳)

ورع کے اصطلاحی معنی:

ورع کے اصطلاحی معنی کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

ورع سے مراد انسان کا ایسی چیز سے رک جانا جو کبھی اسے ضرر پہنچا سکے۔ اس تعریف کی بنا پر ورع میں محرمات اور مشتبہات سب داخل ہو جائیں گی کیونکہ مشتبہات کبھی ضرر کا باعث ہو جاتی ہیں، لہٰذا جو شخص مشتبہات سے بچ گیا تو اس نے اپنی عزت اور دین کی حفاظت کر لی اور جو مشتبہات میں پڑ گیا تو وہ حرام میں داخل ہو سکتا ہے اس چرواہے کی مانند جو چراگاہ کے اردگرد چراتا ہے، قریب ہے کہ وہ اس چراگاہ میں واقع ہو جائے۔(فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ: ۶۱۵/۱۰)

زہد وورع کے حدود:

زہد مزہود فیہ (جس سے اعراض کیا جائے) میں رغبت اور ارادہ نہ ہونے کے قبیل سے ہے اور ورع متورع عنہ (جس سے پرہیز کیا جائے) سے نفرت اور کراہت کرنے کے باب سے ہے۔ واجبات اور مستحبات میں زہد اور ورع کوئی بھی درست نہیں اور منفعت خالصہ یا منفعت راجحہ میں زہد اختیار کرنا حماقت ہے اور محرمات ومکروہات میں زہد اور ورع دنوں درست ہیں اور مباحات میں صرف زہد درست ہے، ورع نہیں۔

لیکن جس چیز میں کوئی ضرر نہ ہو یا اس میں ضرر تو ہو لیکن مرجوح جب کہ اس کے ساتھ کسی منفعت راجحہ کی تحصیل یا کسی دوسرے راجح ضرر کا دفاع شامل ہو تو اس میں ورع اختیار کرنا جہالت اور ظلم ہے اور اس کی تین قسمیں ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱: منافع مكافأة: ایسی چیزیں جن کا نفع ان کے ضرر کے مساوی ہو، جیسے مباحِ محض۔

۲: منافع راجحة: ایسی چیزیں جن کا نفع ان کے ضرر پر راجح ہو، جیسے مستحب۔

۳: منافع خالصة: ایسی چیزیں جو خالص نفع بخش ہوں، جیسے واجب۔
پس ان اقسام ثلاثہ سے تورع اختیار کرنا گمراہی ہے۔
(فتاویٰ شیخ الإسلام، ص: ٦١٥ - ٦١٨ بتصرف یسیر)

زہد کی اقسام، مراتب اور احکام:

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں، زہد کی چند قسمیں ہیں:

۱: "زهد في الحرام": ایسا زہد جو حرام چیزوں سے متعلق ہو۔ یہ فرض عین ہے۔

۲: "زهد في الشبهات": مشتبہ چیزوں سے اعراض کرنا۔ یہ شبہ کے مراتب کے اعتبار سے ہے، اگر شبہ قوی ہے تو یہ زہد وجوب کے درجے میں ہوجاتا ہے اور اگر شبہ ضعیف ہے تو استحباب کے درجے میں رہتا ہے۔

۳: ایسا زہد جو فضول چیزوں اور لایعنی کلام، نگاہ، سوال، لقاء وغیرہ سے متعلق ہو، نیز لوگوں سے متعلق ہو اور نفس سے متعلق ہو اس طور پر کہ انسان کے نزدیک اس کا نفس اللہ تعالیٰ کے سامنے ذلیل وحقیر ہوجائے۔

۴: ایسا زہد جو ان تمام مذکورہ اقسام کو جامع ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا سے اور ہر اُس چیز سے بے رغبتی اختیار کرنا ہے جو اللہ عزوجل سے غافل بنا دے۔

افضل ترین زہد، زہد کا چھپانا ہے اور دشوار ترین زہد دولت مندی سے اعراض کرنا ہے۔ (الفوائد: ۱۱۸)

زہد اور ورع کا فرق:

دونوں میں فرق یہ ہے کہ جو چیزیں اخروی اعتبار سے نفع بخش نہ ہوں ان کا ترک کرنا زہد ہے اور جن چیزوں کے ضرر کا آخرت میں خوف ہو ان کا ترک کرنا ورع ہے اور جو دل خواہشات پر معلق ہو اس کے لیے نہ زہد راس آئے گا نہ ورع۔ (الفوائد: ۱۱۸)

امام ابن قیم رحمہ اللہ نے "طریق الهجرتین" میں جو کچھ فرمایا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ زہد کی چار قسمیں ہیں:

۱: اوّل وہ جو ہر مسلمان پر فرض ہے اور وہ ایسا زہد ہے جو حرام چیزوں سے متعلق ہو، یعنی حرام چیزوں سے اعراض کرنا۔

۲: دوم زہد مستحب ہے۔ مزهود فيه (جس سے زہد متعلق ہو) کے اعتبار سے اس کے مختلف درجات ہیں اور وہ مکروہ، لایعنی، غیر مفید، مباح اشیاء اور مباح خواہشات کے تفنن وتنوع سے احتیاط کرنا ہے۔

۳: سوم ان لوگوں کا زہد ہے جو سیر الی اللہ میں کمر بستہ رہتے ہیں۔
اس تیسری قسم کے دو انواع ہیں:

نوع اوّل:......تمام دنیا کو ترک کردینا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ انسان دنیا کو بالائے طاق رکھ کر خالی ہاتھ بیٹھ رہے بلکہ مراد یہ ہے کہ دنیا کو مکمل طور پر دل سے نکال دے، نہ تو اس کی طرف متوجہ ہو اور نہ اسے موقع دے کہ اس کے دل کو مسکن بنا لے اگرچہ وہ اس کے ہاتھ میں ہو، چنانچہ زہد یہ نہیں ہے کہ دنیا کو ہاتھ سے چھوڑ دیا جائے اور وہ دل میں گھر کیے رہے بلکہ زہد یہ ہے کہ اس کو دل سے نکال دیا جائے لیکن وہ ہاتھ میں موجود ہو، جیسا کہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا حال تھا اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا حال تھا۔ جن (عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ) کا زہد ضرب المثل ہے، باوجودکہ مال ودولت کے خزانے ان (عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ) کے ہاتھ میں تھے۔ بلکہ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حال تھا کہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر دنیوی فتوحات کا دروازہ کھول دیا تو اس چیز نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیوی زہد میں چار چاند لگا دیے۔

اس زہد (نوع اوّل) کی صحت کے لیے تین چیزیں ضروری ہیں:

۱: بندہ یہ جان لے کہ دنیا ایک زائل ہونے والا سایہ اور گشت کرنے والا خیال ہے اور وہ ٹھیک ویسی ہی ہے جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا اس کے بارے میں فرمان ہے:

﴿اعْلَمُوا أَنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهْوٌ وَزِينَةٌ وَتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ كَمَثَلِ غَيْثٍ أَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهُ ثُمَّ يَهِيجُ فَتَرَاهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُونُ حُطَامًا﴾ [الحديد: ٢٠]

"مسلمانو! یقیناً جان رکھو کہ دنیا کی زندگی کھیل تماشا ہے اور

زیب وزینت ہے اور ایک دوسرے پر فخر کرنا، مال اور اولاد میں بڑائی کا اظہار کرنا ہے۔ اس دنیا کی مثال بارش کی سی ہے (جس سے سبزیاں پیدا ہوتی ہیں)، زمینداروں کو ان کی انگوریاں بہت بھلی لگتی ہیں، پھر وہ سوکھ کر خشک ہوجاتی ہیں، پھران کو پیلی پڑتے دیکھتے ہو، پھر وہ تنکا تنکا ہوجاتی ہیں۔''

اس کے علاوہ اور بھی اس مضمون کی آیتیں ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے اِس دنیا کو متاعِ غرور (دھوکے کی پونجی) سے تعبیر کیا ہے اور اِس دنیوی زندگی سے دھوکا کھانے سے منع فرمایا ہے اور ہمیں فریب خوردہ لوگوں کے بُرے انجام کی خبر دی ہے اور ان کے مہلک نتائج سے ڈرایا ہے۔ اور دنیا چاہنے والوں کی مذمت کی ہے۔ اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ مجھے دنیا سے کیا مطلب، میں تو اس سوار کے مانند ہوں جس نے کسی درخت کے سائے میں قیلولہ کیا، پھر چل دیا اور اسے چھوڑ دیا۔ [1]

۲: دوسری چیز: بندہ جان لے کہ دنیا کے علاوہ ایک دوسرا ٹھکانہ ہے جو اس سے بلند پایہ ہے اور وہ دار البقاء ہے، لہٰذا اس دنیا سے بے رغبتی دار البقاء کے کامل ذوق وشوق کی بنا پر ہے۔

۳: بندہ جان لے کہ اس کا زہد فی الدنیا، یعنی دنیا سے کنارہ کش رہنا، اس کے دنیوی مقررہ حصے کو نہیں روک سکتا اور اس کا دنیا پر حریص ہونا اس حصے کو فراہم نہیں کرسکتا جو اس کے مقدر میں نہیں ہے۔ بندہ جب اس کا یقین کرلیتا ہے تو اس کا سینہ مطمئن ہوجاتا ہے اور وہ جان لیتا ہے کہ اس کا دنیوی حصہ عنقریب اس کے پاس آئے گا، اس کی حرص اور کدوکاوش ضائع ہوکر رہ جائے گی۔ اور عقل مند شخص اپنے لیے اسے پسند نہیں کرے گا۔

یہ تینوں چیزیں بندے پر زہد فی الدنیا کو آسان بنا دیتی ہیں اور اس کے اندر ثابت قدمی واستقلال پیدا کر دیتی ہیں۔

نوع ثانی:...... ''زهد في النفس'' (نفس سے اعراض)

ہے۔ یہ تمام اقسام میں دشوار ترین اور مشکل ترین ہے۔

(مختصر من طريق الهجرتين، ص: ٤٥٣-٤٥٦)

گزشتہ بیان سے ظاہر ہوا کہ اخروی زندگی جو دائمی اور باقی رہنے والی ہے، کو ترجیح دینا زہد ہے دنیوی زندگی پر جو خسیس اور فانی ہے۔ انسان جب اس وصف سے متصف ہوجاتا ہے تو اس پر قادر ہوجاتا ہے کہ وہ اس دنیا میں سوار کے توشہ کے بہ قدر دنیا سے اپنا حصہ پا کر زندگی بسر کرے، لہٰذا وہ دنیا کی خواہشات کو ترک کرتا ہے اور دنیا کے فتنوں سے دھوکہ نہیں کھاتا اور اللہ پر توکل کرتا ہے۔ اس سے خوف کھاتا ہے اور اس سے پُر اُمید رہتا ہے تاکہ اللہ کے ہاں اپنا اجر پائے۔

جیسا کہ ظاہر ہوا کہ زہد کا تعلق اس چیز سے ہے جو موجود ہو اور اس کی تحصیل پر قدرت ہو، لہٰذا فقیر طاقت نہیں رکھتا کہ وہ مال میں زہد اختیار کرے کیونکہ وہ مال کو نہیں پاتا اور اسی طرح کچھ اسباب کی بنا پر حرام کے ارتکاب سے عاجز شخص کو نہیں کہا جاتا کہ وہ اس حرام کام کا زاہد ہے بلکہ جو حرام کے ارتکاب پر قدرت رکھنے کے باوجود اس سے الگ تھلگ رہے تو اس پر زہد کا وصف صادق آتا ہے۔

جیسا کہ ہمیں معلوم ہے کہ زہد کے یہ معنی نہیں کہ کسب واکتساب کو ترک کردیا جائے، نہ یہ کہ اسباب کو ترک کردیا جائے، انھیں استعمال نہ کیا جائے اور اس کی انفرادی واجتماعی ذمہ داری سے راہِ فرار اختیار کرلیا جائے۔ اس لیے کہ اسلام انفرادی اور اجتماعی مصلحت کو باقی رکھنے کے لیے دنیوی زندگی پر مناسب توجہ دیتا ہے، پس مسلمانوں کو اپنا دنیوی حصہ پانے پر ابھارتا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ ابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَ لَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا﴾ [القصص: ٧٧]

''اور جو کچھ اللہ نے تجھے دیا ہے اس کے ذریعے سے آخرت کی تلاش کر اور دنیا سے اپنا حصہ نہ بھول۔''

[1] یہ حدیث الزهد لوكيع، رقم: ٦٤، مسند أحمد: ١/ ٤٤ اور الزهد لأحمد، رقم: ٨ میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور اس کی سند حسن ہے۔ نیز مسند أحمد (١/ ٣٠١) اور زهد لأحمد (رقم: ١٣) میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور ابن حبان نے اس کی تصحیح کی ہے، جیسا کہ موارد الظمآن (رقم: ٦٢٦) میں ہے اور حاکم نے شیخین کی شرط کے مطابق اسے صحیح قرار دیا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔ نیز تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو اس کی تخریج ''الزهد لوكيع'' میں اور ''الصحيحة للألباني (رقم: ٤٣٩) میں۔

اور انبی اکرم ﷺ نے ایک شخص کو پراگندہ ہیئت میں دیکھ کر اس سے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ تجھے مال ودولت نوازے تو تمھارے اوپر اس کی نعمت کا اثر دکھائی دینا چاہیے۔ [1]

پس مسلمان سے اس بات کا مطالبہ ہے کہ وہ اُن اسباب ووسائل کو اختیار کرے جو شرعی حدود کے اندر رہتے ہوئے اسے اپنے مقصد تک پہنچا دیں اور اس بات کا بھی مطالبہ ہے کہ وہ اپنے اور معاشرے اور سماج کے مفاد ومنفعت کے لیے محنت اور کوشش کرے مگر اسلام اس دنیائے فانی کا حقیقی اور صحیح تصور عطا کرنے پر زور دیتا ہے اور برابر انسان کو یاد دلاتا ہے کہ اس کا دائمی ٹھکانہ اُخروی زندگی ہے تاکہ دنیا کے فتنوں اور زیبائشوں سے دھوکا نہ کھائے اور اپنے اِس وظیفے کو نہ بھولے جس کے لیے اللہ رب العزت نے اسے پیدا کیا ہے اور وہ (وظیفہ) اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت ہے، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ [الذاريات: ٥٦]

''اور میں نے جن وانس کو محض اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔''

پس دنیوی زندگی کے متعلق اسلامی تصور یہ ہے کہ دنیا آخرت کی کھیتی اور اس کے لیے سواری ہے۔ اور اس دنیا میں انسان کی بقا کی مثال ایک سوار کی ہے، جس نے کسی درخت کے سائے میں قیلولہ کیا، پھر چل دیا اور اسے چھوڑ دیا۔ اور دارِ بقاء دارِ آخرت ہے۔ اِس دنیائے فانی کی حیثیت آخرت کے مقابلے میں ویسی ہی ہے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے: ''دنیا آخرت کے بالمقابل ایسی ہے جیسے تم میں سے کوئی شخص اپنی انگلی سمندر میں ڈالے، پھر دیکھے کہ کتنے پانی کے ساتھ لوٹتا ہے۔'' (كتاب الزهد، رقم الحديث: ٦٥)

اور یہ موقع جو ہر انسان کو مہیا ہے اس کی اپنی ایک حیثیت اور اہمیت ہے، اس لیے کہ اس سے اچھا فائدہ اٹھانے پر اُخروی زندگی میں عمدہ ثمرہ مرتب ہوگا اور اس سے غلط فائدہ اٹھانے پر آخرت میں بُرا ثمرہ مرتب ہوگا۔

پس عقل مند کو اس سے مفر نہیں کہ اُخروی زندگی کو دنیاوی زندگی پر ترجیح دے، لہٰذا دنیا کے حاصل کرنے میں نہ اِفراط کا طریقہ اختیار کرے اور نہ لوگوں کے حقوق میں تفریط کی راہ پر چلے۔

یہ عقیدہ لوگوں کے ذہن میں راسخ ہوجانے کے بعد اسلام انسان کو اجازت دیتا ہے کہ وہ معرکۂ حیات میں داخل ہوجائے۔ اس میں جنت لگائے اور گردش کرے اور اپنے واجبات، یعنی اللہ تعالیٰ کے حقوق، مثلاً: عبادت، نماز، روزہ، زکاۃ، حج اور آدمیوں کے حقوق، مثلاً: تجارت، صناعت، نکاح اور معاشرت کو انجام دیتا رہے۔

زمانۂ نبوت میں لوگ اس باب میں دین کی اس صحیح سمجھ پر تھے، چنانچہ وہ زندگی کے تمام میدانوں میں اپنے معاملات کو بغیر اِفراط وتفریط پوری سرگرمی اور مسلسل عمل کے ساتھ انجام دینے کی کوشش کرتے تھے۔ کیونکہ وہ امید رکھتے تھے کہ اِس کے پیچھے اچھا انجام اور رضائے الٰہی ہے، لہٰذا وہ دن کے شہ سوار اور رات کے عبادت گزار ہوتے تھے۔ تم انھیں مسجدوں میں، علمی مجلسوں میں، تجارت وصناعت میں، جہاد کے میدانوں میں اور اپنے اہل وعیال غرض ہر جگہ پاؤ گے۔

جو آیات واحادیث دنیا کی مذمت اور دنیوی مشاغل سے ممانعت کے سلسلے میں وارد ہوئی ہیں، ان کی تلاوت ہوتی تھی، پڑھی جاتی تھیں۔ وہ لوگ انھیں سمجھتے تھے اور ان سے روشنی حاصل کرتے تھے کیونکہ ان آیات واحادیث سے مقصود زہد فی الدنیا پر اُبھارنا ہے اور ایسے دنیوی مشاغل پر زجر وتنبیہ ہے جو آخرت سے لاپروائی اور طلبِ آخرت میں تکاسلی کا باعث ہوں۔ اور وہ لوگ ایسا اس لیے کرتے تھے تاکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان اعمال کے بدلے جو دنیوی زندگی میں انھوں نے انجام دیا تھا، اچھا بدلہ پائیں۔ (جاری ہے)

(بہ شکریہ ''محدث'' بنارس)

[1] الزهد لوكيع، رقم: ٦٥، مصنف لابن أبي شيبه: ٢/ ٢٤٢ اور مسند أحمد: ٤/ ٢٢٩، ٢٣٠. یہ حدیث مستورد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور صحیح مسلم (٤/ ٢١٩٣) میں بھی موجود ہے۔

سیرت وسوانح

قسط نمبر ۵

تذکرہ حافظ محمد دین سرگودھوی رحمہ اللہ

عطاء محمد جنجوعہ

سماجی وفلاحی کردار:

امام الانبیاء محمد عربی ﷺ نے کوہِ صفا پر کھڑے ہو کر قریش مکہ کو توحید کی دعوت دی۔ یہی مقدس ہستی مکہ کی گلیوں میں کمزور اور نحیف لوگوں کا سہارا بنتی تھی۔ محسن انسانیت ﷺ کی نگاہ پڑی کہ ایک ضعیف العمر عورت کی کمر سر پر وزن کی وجہ سے جھک چکی تھی۔ آپ ﷺ نے اُس کا وزن سر پر اٹھا لیا۔ منزلِ مقصود تک پہنچا کر چین کا سانس لیا۔

عامل سنت حافظ محمد دین دعوتی واخلاقی خوبیوں سے مزین تھے۔ جہاں آپ منبر پر کھڑے ہو کر امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے تھے، وہاں سماجی اور رفاہی کاموں میں بھی پیش پیش ہوتے۔ دیہاتی معلم کا معاشرے میں عزت ووقار ہوتا ہے۔ وہ خود کام کرنے کے عادی نہیں ہوتے بلکہ عموماً زبان سے کام لیتے ہیں، تاہم حافظ صاحب ذاتی کام کرنے میں عار محسوس نہ کرتے تھے۔ کاشت کاری کے معاملے میں بھائیوں کی اعانت کرتے۔ شہر سے بیج کھاد لے کر اُن کو بر وقت فراہم کرتے۔ حافظ صاحب بچپن میں مستری خاندان سے نشست وبرخواست کی وجہ سے فنی معلومات رکھتے تھے۔ جماعتی ساتھی تعمیری کاموں میں اُن سے مشورہ لیتے۔ وہ تعمیری سامان خریدنے کے لیے اُن کو اپنے ساتھ ضرور لے جاتے۔

حافظ صاحب علاقے کے پٹواری، تھانیدار اور ڈاکٹر صاحبان سے خصوصی مراسم رکھتے تھے۔ جماعتی ساتھیوں کو کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو آپ اُن کو سفارشی رقعہ لکھ دیتے اور جس موقع پر ضروری ہوتا آپ اُن کے ساتھ بھی چلے جاتے۔

مادی وسائل کی ترقی کے دور میں کسی کو ذاتی دکھ تکلیف، کاروباری یا اجتماعی نوعیت کا مسئلہ لاحق ہوجائے تو وہ پریشانی کا شکار ہوجاتا ہے۔ وہ ظاہری اسباب تلاش کرنے پر غور کرتا ہے اور گوہر مقصود تک رسائی حاصل کرنے کے لیے سفارشیں تلاش کرتا ہے۔ عزیزم عتیق الرحمٰن جو حافظ صاحب کے سفر وحضر میں ساتھ رہے، وہ راوی ہیں کہ حافظ صاحب کو ذاتی یا جماعتی نوعیت کا مسئلہ درپیش ہوتا اور سفر پر جانا ہوتا تو وہ روانگی سے قبل مسجد میں جاتے اور دو رکعت نماز ادا کرتے اور ساتھیوں سمیت مل کر دعا کرتے۔ اگر مسئلہ حل ہوجاتا تو واپس آ کر مسجد میں دو رکعت نفل شکرانہ ادا کرتے۔ یہ آپ کی زندگی کا معمول رہا۔

محترم حافظ صاحب ''سیاست اسلام کی اساس ہے'' کے نظریے کے قائل نہ تھے لیکن اسے اسلام کا جزو سمجھ کر سیاسی سرگرمیوں میں بھرپور حصہ لیتے رہے تاکہ ملک میں قرآن وسنت کا قانون نافذ ہو۔

مولانا محمد عبداللہ طارق چک ۳۴ شمالی میں خطیب تھے۔ وہ شیخ الاسلام محمد عبداللہ محدث روپڑی رحمہ اللہ کے شاگرد تھے۔ اس بنا پر حافظ صاحب اُن کی بے حد عزت کرتے تھے۔ وہ چک ۲۳ کے سالانہ جلسے کے تاحیات اسٹیج سیکرٹری رہے۔ زبان کی لطافت اور بیان کی شیرینی اُن کا نمایاں وصف تھا۔ اُن کے چک میں جلسہ تھا۔ حافظ صاحب دن کے وقت شامیانے لگانے اور اسٹیج سجانے میں مقامی جماعت کا ہاتھ بٹاتے رہے اور شام کو تقریر کے لیے منبر پر کھڑے ہوگئے۔ اہل دیہہ نے آپ کے اس عمل کو سراہا اور کہا کہ عالم ہو تو ایسا جو دین کی خدمت کے لیے ہاتھ سے کام کرنا عار نہیں سمجھتا۔

صلح جو طبیعت:

حافظ محمد دین صلح جو شخصیت تھے۔ آپ اکثر کہا کرتے تھے کہ صلح

کرنے والے پر رب رحمان راضی ہوتا ہے جب کہ جدائی ڈالنے والے پر شیطان بغلیں بجاتا ہے۔ آپ کو دوست احباب اور رشتہ داروں کے بارے پتا چل جاتا کہ اُن میں باہمی رنجش ہے تو کسی ایک فریق کی درخواست پر یا ازخود اُن کے پاس حاضر ہوجاتے۔

حافظ صاحب کی نصیحت پر کوئی جوان عمل کرتا یا تنازعہ کے دوران ایک فریق صلح کی پیش کش قبول کرلیتا تو اُس کا وقار آپ کے دل میں گھر کر جاتا۔

حسن سلوک:

محسنِ انسانیت ﷺ نے وفات سے قبل اپنی امت کو نماز قائم کرنے اور حسنِ سلوک کرنے کی وصیت فرمائی۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے دس سال آپ ﷺ کی خدمت کی۔ اُن کا بیان ہے کہ اگر کسی کام میں سستی بھی ہوگئی تو بھی آپ نے ناراضگی کا اظہار نہیں کیا بلکہ معاف کر دیا۔

حافظ صاحب کی زندگی شاہد ہے کہ انھوں نے بھی نبی آخر الزماں ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی میں خادموں سے نرم رویہ اختیار کیا۔ آپ کے بیٹوں نے قاری عزیز الرحمٰن کو حج کی ادائیگی کے لیے ابا جی کی خدمت پر مامور کیا۔ وہ میدانِ عرفات میں اپنے گاؤں کے لوگوں کو تلاش کرنے کے لیے چلا گیا۔ حافظ صاحب نے اس کا شکوہ نہیں کیا۔

ایک دفعہ مسجد کے قاری صاحب نے بچوں کو سزا دی تو اُن کے جسم پر نشان بن گئے۔ جماعتی ساتھی نظم کا احترام کرتے ہوئے قاری صاحب سے مخاطب نہ ہوئے۔ انھوں نے حافظ صاحب سے شکوہ کیا۔ حافظ صاحب دوسرے دن قاری صاحب کے ساتھ کلاس میں بیٹھ گئے۔ تین دن تک اُن کے ساتھ مل کر تدریس جاری رکھی۔ گھر سے کھانا منگوا کر اکٹھے کھاتے رہے۔ تب جا کر نصیحت کی کہ ان بچوں پر اگر سختی کرو گے تو یہ بھاگ جائیں گے اور دینی تعلیم سے محروم ہوجائیں گے اور مسجد میں آنا ہی ترک کر دیں گے۔ خدانخواستہ جسمانی سزا ناگزیر ہوجائے تو اس طرح مارو کہ جسم پر نشان نہ بھی پڑیں اور تادیب کا مقصد بھی حاصل ہوجائے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حافظ صاحب کو حسن وجمال سے نوازا تھا۔ اوسط درجے کا بدن، مناسب قد وقامت، چاند کی طرح روئے تاباں جس کی تاب نا کی کو تقویٰ وطہارت کی رومانیت نے دوآتشہ بنا دیا تھا۔ سرخ وسفید رنگت جو لطافت وحلاوت کی آئینہ دار اور آپ کا چہرہ ہمیشہ مطمئن اور متبسم۔ مسنون اعمال کی دعوت دیتے ہوئے آپ کی زبان کوثر وتسنیم میں دھلی ہوئی ہوتی۔ تاہم جب عقیدہ وایمان پر خطاب کرتے یا کسی محفل میں گفتگو کرتے تو آپ کے چہرے سے جلالت کا وقار ظاہر ہوتا۔

محترم ومکرم حافظ محمد دین خدمت دین کا فریضہ سرانجام دینے کے لیے چک ۲۳ (سرگودھا) منتقل ہوگئے۔ لیکن انھوں نے آبائی گاؤں کوٹ بھائی خان کی جماعت سے اخوت ومحبت کا رشتہ قائم رکھا۔ وہ اُن کے دکھ سکھ میں شامل ہوتے اور نماز کے بعد اُن کو وعظ ونصیحت کرتے رہے۔ وہاں سال میں ایک دفعہ خطبہ جمعہ ضرور ارشاد فرماتے۔ مقامی احباب فرطِ محبت سے گلی کوچوں میں ساتھیوں کو اطلاع دیتے اور گاؤں کے سبھی لوگ بر وقت تشریف لاتے۔ آپ نہایت شیریں انداز میں قرآن کی تلاوت کرتے۔ آپ انبیائے کرام اور اسلاف کے تاریخی کردار کی روشنی میں عقائد میں پختگی اور عمل صالحہ سے رشتہ جوڑنے پر روحانی خطاب کرتے۔ سامعین کے دل ودماغ ایمان کے نور سے منور ہوجاتے۔

متوفی کی وصیت کے مطابق آپ کو نماز جنازہ پڑھانے کے لیے کہا جاتا تو آپ گرمی کی شدت میں بھی سفر کی صعوبت برداشت کر کے تشریف لاتے اور نماز جنازہ پڑھاتے۔

بریلوی، دیوبندی اور اہل حدیث سالانہ عظمت صحابہ کانفرنس کا اہتمام کرتے تھے۔ بریلوی احباب نے ۱۹۸۴ء میں علیحدہ جلسہ کرایا اور مسلک اہل حدیث کی تردید کو موضوعِ سخن بنا لیا تو محترم حافظ محمد دین کے مشورے سے کوٹ بھائی خان میں سالانہ جلسہ کا آغاز ہوا۔ محترم حافظ محمد دین نے سالانہ جلسے کی بنیاد رکھ کر تنظیمی رابطے کو مستحکم کیا اور مقامی جماعت میں نیا جذبہ وولولہ پیدا کیا۔

مولانا سیّد اولاد حسن قنوجی رحمہ اللہ

محمد اشرف جاوید، فیصل آباد

قنوج ہند کا ایک مردم خیز خطہ ہے۔ اس سرزمین نے فحول علماء کو جنم دیا جو اپنے وقت کے نجوم السماء گردانے جاتے رہے اور ان سے علماء کی ایک بڑی تعداد نے کسب فیض کیا، ان میں سے ایک سیّد اولاد حسن قنوجی رحمہ اللہ بھی تھے۔

مولانا اولاد حسن تمام اوصاف کے ساتھ ساتھ صاحبِ سیف وقلم بھی تھے۔ مولانا کا شمار ہند کے ان علمائے کرام میں ہوتا ہے جنھوں نے ظلمت کدوں میں نورِ ہدایت کا چراغ روشن کیا اور حق کا غلغلہ بلند کیا۔ مولانا شاہ اولاد حسن اسماعیل شہید کی فوج کے عظیم سپاہی تھے۔

پیدائش:

ان کی پیدائش کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے، چنانچہ سالِ ولادت کے متعلق دو روایات ہیں: ۱۲۰۰ھ یا ۱۲۱۰ھ۔ مگر حقائق اور قدیم مآخذ کی روشنی میں ۱۲۱۰ھ درست معلوم ہوتی ہے۔

تعلیم:

صاحبِ ''ماثر صدیقی'' تحریر کرتے ہیں:

''ان کو بچپن سے باپ کے سایہ عاطفت میں رہنا نصیب نہیں ہوا اور سن تمیز تک بیگانہ وار زندگی بسر کرنی پڑی اور خاندان میں کوئی ایسا بزرگ موجود نہ تھا جو ان کی نگہداشت اور تعلیم وتربیت کا فرض ادا کرتا۔ قدرت نے ان کو ایک خاص ملکہ ودیعت کیا تھا، اس لیے خود بخود اپنے ذوق طبعی، شوق فطری اور دانش منداں کی راہنمائی میں اکتسابِ علم کی طرف ان کی عنان توجہ معطوف ہوئی۔'' (ماثر صدیقی: ۱/۵۳)

لغت فارسیہ کی تحصیل اپنے وطن اور نواح وطن کے اساتذہ سے کی۔ اس وقت تک تمام دفاتر اور عدالتوں میں بالعموم فارسی زبان رائج تھی اور ملکی وشاہی زبان کا تاج بھی اس کے سر پر تھا۔ مولانا نے اس زبان میں دسترس حاصل کی اور پھر بقیۃ السلف، خیر الخلف شیخ عبدالباسط قنوجی کے حلقے میں داخل ہوئے اور ابتدائی کتبِ شرعیہ کو پڑھا۔ (اہل حدیث اور سیاست، ص: ۱۱۳، اردو نثر میں علماء کا حصہ، ص: ۱۳۱، ماثر صدیقی: ۱/۵۳)

اس کے بعد لکھنو میں مولانا نور محمد اور مولانا حسن علی محدث رحمہ اللہ وغیرہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔

مرکز علم دہلی میں:

۱۲۳۲ھ میں علمِ حدیث کی اعلیٰ تعلیم کے لیے دہلی گئے۔ شاہ رفیع الدین محدث دہلوی رحمہ اللہ کی شاگردی اختیار کی۔ شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ سے بھی تبرکاً بعض اوراد وادعیہ وغیرہ کی اجازت حاصل کی۔

(اردو نثر میں علماء کا حصہ، ص: ۱۳۲)

نواب صدیق حسن رحمہ اللہ اپنے والد کی تعلیم کا واقعہ نقل کرتے ہیں:

"أخذ أوائل العلوم الدرسية من الشيخ العلامة عبد الباسط القنوجي ورحل إلى لكنهو بعد وفاته فاكتسب عن الشيخ العارف العالم محمد نور وغيره من علماء عصره، ثم سافر في سنة ١٢٣٣ ھ إلى دهلي وتتلمذ على الشيخ عبدالعزيز والشيخ رفيع الدين ابني الأجل شاه ولى الله المحدث الدهلوي أخذ الإجازة لكتب التفسير والحديث وغيرهما."

(أبجد العلوم، طبع هندي، ص: ٢٦٧، تلامذۂ غالب، ص: ٢٣٠)

''(حضرت مولانا اولاد حسن نے) ابتدائی تعلیم مولانا عبدالباسط قنوجی سے حاصل کی۔ ان کی وفات کے بعد آپ نے لکھنو کا سفر کیا، وہاں شیخ نور محمد وغیرہ سے اور ہم عصر علماء سے علم حاصل کیا۔ اس کے بعد ۱۲۳۳ھ کو دہلی کا رخ کیا، وہاں شاہ عبدالعزیز وشاہ رفیع الدین رحمہما اللہ سے جو امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے بیٹے تھے، کتب تفسیر اور حدیث کی سند حاصل کی۔''

شیعیت سے توبہ:

مولانا کے دادا عزیز اللہ نے شیعہ مسلک اختیار کرلیا تھا، پھر ان کے بعد ان کے بیٹے لطف اللہ بھی ان کے دین پر قائم رہے۔ مولانا نے مولانا عبدالباسط قنوجی کی صحبت میں رہ کر اپنا رُخ اہل سنت کی طرف موڑ دیا اور پھر شاہ عبدالقادر محدث مؤلف ''موضح القرآن'' سے بار بار ان کو اتفاقِ صحبت ہوا، یہی فیضِ صحبت وتعلیم علامہ قنوجی کے لیے مذہب شیعہ امامیہ کے ترک کرنے کا باعث اور اہل سنت کے مسلک کو اختیار کرنے کا سبب ہوا۔ (ترجمہ علمائے ہند، ص:۲۷۰)

پروفیسر ایوب قادری لکھتے ہیں کہ مولانا سیّد اولاد حسن کا خاندان تین پشتوں سے تشیع اختیار کرچکا تھا۔ مولانا نے اس مسلک سے توبہ کرکے اہل سنت کا مسلک اختیار کیا۔ (اردو ارتقاء میں علماء کا حصہ:۱۳۲)

پھر مطالعۂ کتب اور شاہ اسماعیل رحمہ اللہ کی معیت کی وجہ سے مسلک اہلِ حدیث اختیار کرلیا۔ (فقہائے ہند، ص:۱۰۹،۱۱۰)

وطن واپسی:

مولانا تعلیم حاصل کرنے کے بعد وطن لوٹے تو وعظ وتبلیغ کا سلسلہ شروع کردیا۔ صاحبِ ''ماثر صدیقی'' تحریر کرتے ہیں کہ ہر محلے میں وعظ کیا کرتے تھے۔ (ماثر صدیقی، ص:۴۳)

اس سلسلے میں مولانا ابوالحسن ندوی لکھتے ہیں:

''اسلام اور مسلمانوں کی خدمت، عبادت، تصنیف وتالیف کے علاوہ صبح وشام ورزش کرنا ان کا معمول تھا۔ سپاہیانہ وضع میں ہمیشہ رہا کرتے۔ شمشیر وعصا، کمان وتفنگ سے مسلح رہتے تھے۔'' (کاروانِ ایمان، ص:۸۸)

اور تذکرہ علمائے ہند کے مصنف رحمان علی نے بھی ان کے اوصاف یوں بیان کیے ہیں کہ ان کی عمر عزیز درس وعظ وپند میں بسر ہوئی۔ (تذکرہ علمائے ہند (مترجم)، ص:۱۱۴)

دعوت کے اثرات:

مولانا سیّد اولاد حسن رحمہ اللہ کے وعظ سے قنوج اور اطراف کے لوگ ان کے مرید ہوکر صراطِ مستقیم پر گامزن ہوئے۔ ان میں اہل خرقہ کی تعداد زیادہ تھی اگرچہ ان مریدین میں سیّد پٹھان بھی تھے۔ اسی طرح کئی ہزار ہندو بھی ان کے دست مبارک پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء .

قنوج میں مولانا کی وجہ سے عقائد واعمال اور رسوم کی بڑی اصلاح ہوئی۔ پوری پوری برادریوں نے ان کا رنگ قبول کرلیا اور متبع سنت بن گئیں۔ ان اطراف میں آپ کی برکات واصلاحی اثرات ابھی تک محسوس ہوتے ہیں۔ (کاروانِ ایمان از مولانا ابوالحسن ندوی، ص:۸۷، ماثر صدیقی: ۱/۵۷)

''ماثر صدیقی'' (۱/۵۶) میں لکھا ہے کہ ہمارے ممدوح نے قرآنِ مجید کی اس آیت کو سامنے رکھتے ہوئے تمام خاندان سے، جو تشیع اختیار کیے ہوا تھا، اپنے تعلقات منقطع کرلیے اور خوشی غمی کو بہ یک قلم اٹھا دیا:

﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَادَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ﴾ [المجادلة: ۲۲]

''تُو اُن لوگوں کو جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، نہیں پائے گا کہ وہ ان لوگوں سے دوستی رکھتے ہیں جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی، خواہ وہ ان کے باپ ہوں یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کا خاندان۔''

نواب صدیق حسن رحمہ اللہ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ والد محترم نے شیعہ کے ردّ میں رسائل بھی تحریر کیے۔ امام بارگاہوں کو گرا دیا اور

تعزیہ کے نشانات وغیرہ کو نیست ونابود کر کے زمین بوس کر دیا۔ ان کی جگہ مسجدیں اور مدرسے تعمیر کرائے۔ (لقطة العجلان، ص: ۷۲)

نواب صاحب دوسری جگہ تحریر کرتے ہیں کہ ان کی ذات سے خلق کثیر کو فائدہ پہنچا۔ قنوج کے اطراف سے دس ہزار کے قریب غیر مسلم ان کی تبلیغ سے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ غافل مسلمان احکام کی پابندی میں سرگرم ہوگئے۔ ان کی وجہ سے مسجدیں آباد ہوگئیں۔ صوم وصلاۃ میں رونق بڑھ گئی۔ امام بارگاہیں نیست ونابود ہوگئیں۔ تعزیہ کا نشان ختم ہوگیا۔ بہت سی سنتوں کا احیاء اور بدعات کا قلع قمع ہوا۔

(اتحاف النبلاء، ص: ۲۳۲)

نواب صاحب مزید لکھتے ہیں کہ ہندوستان کے مسلمانوں میں شرک وبدعت کا رواج تھا، خصوصاً میرے وطن کے شیعہ رافضی تھے، جو سنی تھے وہ بھی گور پرست اور پیر پرست تھے۔ اللہ تعالیٰ نے والد ماجد کے ہاتھ پر ایک جم غفیر کو راہ یاب کیا۔

(نواب صدیق حسن خان، ص:۲۰۱ طبع لاہور)

مولانا سیّد اولاد رحمہ اللہ کا تقویٰ:

مولانا کے تقوے کو دیکھ کر قرونِ اولیٰ کی یاد تازہ ہوجاتی تھی۔ ان کی زندگی کے ایمان افروز چند واقعات کا ذکر کیا جاتا ہے:

- ایک بار کسی نے آپ سے پوچھا: کیا نماز قبول ہونے کی کوئی خاص علامت بھی ہے؟ انھوں نے جواب دیا:

﴿إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ﴾

[العنکبوت: ٤٥]

''بے شک نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔''

- تقوے اور طہارت کا یہ عالم تھا کہ تمام عمر بازار کی مذبوح بکری کا گوشت نہیں کھایا بلکہ اپنے خاص خادم جو پابند صوم وصلاۃ تھا، اس کے ہاتھ سے بکری ذبح کراتے تھے اور جس قدر گوشت کی ضرورت ہوتی اس میں سے لے لیتے تھے۔ (ماثر صدیقی: ۱/۶۵)
- اسی طرح ایک مرتبہ فرخ آباد، جو اس دور میں ضلع تھا، کے کلکٹر نے مولانا اولاد حسن رحمہ اللہ کے بعض یاران با اختصاص کے ذریعہ سے عہدۂ صدر الصُّدوریہ اور اِفتاء وقضاء کے قبول کرنے کا پیغام بھیجا۔ آپ یہ سن کر بر افروختہ ہوئے اور جو لوگ اس امر کے محرک ہوئے تھے ان سے رنجیدہ ہوگئے۔

آخر کار عہدۂ صدر الصُّدوریہ پر کوئی دوسرا شخص مقرر ہوگیا اور ضلع کے عہدۂ افتا پر مولوی ولی اللہ فرخ آبادی کا تقرر ہوا۔ مولوی صاحب نے اپنے عہدہ قضاء کے زمانے میں ایک مدرسہ قائم کیا۔ اس مدرسے پر اپنے پاس سے زر خطیر ماہوار صرف کرتے تھے۔ مدرسہ قائم ہونے کے بعد جب کبھی مولانا اولاد حسن رحمہ اللہ کو فرخ آباد جانے کا اتفاق ہوتا تھا تو مدرسے میں نہیں جاتے تھے اور کہا کرتے تھے: مال مشتبہ پر اس کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ اس پر رشوت ومعاوضۂ خدمتِ نصاریٰ کے روپے صرف ہوئے ہیں۔ مسلمانوں کو زیب نہیں دیتا کہ دین میں مداہنت اختیار کرتے ہوئے ایسے مدارس میں داخل ہوں۔

ان کے اس فرمان کی وجہ یہ تھی کہ مولوی موصوف رشوت ستانی اور احکام پرستی کے الزام میں مشہور تھے۔ اس کے علاوہ انھوں نے اپنی تفسیر میں بعض آیات قرآنی کی توضیح میں حکایات ہزل وفحش نقل کی تھیں جن کی بنا پر مولوی اوحد الدین احمد بلگرامی اور مرزا حسن علی محدث رحمہ اللہ نے کفر کا فتویٰ صادر کیا تھا۔

(ماثر صدیقی: ۱/۶۳، عہد بنگش، ص:۲۵)

یاد رہے کہ ۱۸۰۱ و ۱۸۰۲ء میں فرخ آباد کی ریاست براہِ راست انگریزوں کی حکومت میں شامل ہوگئی تو یہاں انگریزوں کا نظم ونسق قائم ہوگیا۔ ۱۹/ اگست ۱۸۰۵ء کو مولوی مفتی ولی اللہ فرخی مفتیِ عدالت مقرر ہوئے۔ (عہد بنگش، ص:۲۱، تذکرہ علمائے ہند، ص:۵۴۶)

تصانیف:

ہمارے ممدوح شاعر ہونے کے ساتھ صاحبِ تصنیف بھی تھے۔ ان کی تصانیف کے نام یہ ہیں:

۱: الاختصاص ببيان الحدود والقصاص. (عربی)
۲: تقوية اليقين برد المشركين. (فارسی)
۳: شرح چہل حدیث۔ (فارسی نظم)

۴: رسالہ در معنی کلمۂ توحید۔ (فارسی)

۵: فتویٰ ردّ تعزیہ۔ (فارسی)

۶: رسالہ در بیان ما أهل به لغير الله . (فارسی)

۷: رسالہ در بیانِ آدابِ وعظ۔ یہ دونوں (نمبر ۶ اور ۷) رسالے اس وقت کے مولوی یار علی کے خلاف لکھے۔

۸: رسالہ در بیانِ بیعت وانواع ۔ (فارسی)

۹: رسالہ در منع افروختن وچراغاں برقبور۔ (فارسی)

۱۰: ہدایت مومنین۔

۱۱: حبل المتين . (اردو) القول المبين في حقوق الخلق أجمعين .

۱۲: رسالہ راہِ سنت۔ (اردو) یہ رسالہ جامعہ سلفیہ فیصل آباد کی لائبریری میں موجود ہے۔

''راہِ سنت'' بڑا ایمان افروز رسالہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا تمسک بالسنۃ پر بڑی سختی سے کاربند تھے۔ (تراجم علمائے حدیث ہند، ص:۲۷۲، اردو نثر میں علماء کا حصہ، ص:۱۳۲، تذکرہ علمائے ہند (مترجم)، ص:۱۱۴)

تحریک مجاہدین سے تعلق:

جہانگیر کی وفات کے بعد ہندوستان کی حکومت کا شیرازہ تار تار ہوگیا۔ ہر کوئی مطلق العنان ہوگیا۔ ان حالات کو دیکھ کر عیسائیوں نے ہندوستان کا رخ کیا۔ آخر یہ عیسائی انگریز اپنی عیاری ومکاری سے کچھ علاقوں پر قابض ہوگئے۔ ان کے خلاف جو حکمران میدانِ جنگ میں اُترے ان میں سے نام وَر حکمران سلطان ٹیپو تھا۔ مگر اپنوں کی غداری ناکامی کا سبب بنی اور ہندوستان پر انگریزوں کا تسلط قائم ہوگیا۔ سلطان کے بعد جو تحریک اِحیائے اسلام اور اور آزادیِ وطن کی شروع ہوئی اس کے روح رواں شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ تھے۔ پوری تحریک میں حضرت شاہ اسماعیل کا کردار نمایاں نظر آتا ہے۔ اس تحریک کے امیر سیّد احمد بریلوی تھے۔

جب تحریک شروع ہوئی تو حضرت مولانا سیّد اولاد حسن بھی اس میں شامل ہوگئے بلکہ سیّد احمد شہید کے خلیفہ ہوئے۔ اس تحریک کے متعلق جو حضرت اولاد حسن کا کردار رہا، مختصراً بیان کیا جاتا ہے۔

شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کی تحریک کا بنیادی مقصد اسلام کی سربلندی اور عوام الناس میں سنتِ نبوی کا احیا تھا۔ یہ تحریک کافی حد تک کامیاب رہی۔

سیّدین کی تحریک نے اپنے مقاصد کے لیے نام وَر علمائے دین کو مختلف مقامات پر تبلیغ کے لیے بھیجا، ان میں چند ایک کے نام کچھ یوں ہیں:

❀ ......مولانا محمد علی رام پوری، مولانا عنایت اللہ خان اور مولانا عبداللہ: مدراس کی طرف۔

❀ ......مولانا نواب ولایت علی بہاری: حیدرآباد کی طرف۔

❀ ......مولانا نواب عنایت علی: بنگال کی طرف۔

❀ ......مولانا سیّد اولاد حسن اور مولانا سیّد حمید الدین: یو، پی کی طرف۔ (سیّد احمد شہید: ۱/۴۳۷)

نواب صاحب رقم طراز ہیں:

"وكان له محبة أكيدة مع الشيخ إسماعيل الشهيد والشيخ عبدالحي المرحوم وكانت بيعته على يد السيد العارف أحمد بريلوى ، سافر إلى خراسان وجاهد في سبيل الله باللسان والجنان والبيان والصارم والسنان . " (تاج المكلل، ص: ۱۹۸ مطبع صديقي، بهوپال ۱۲۹۸ھ)

''سیّد اولاد حسن کو شیخ اسماعیل شہید اور مولانا عبدالحی سے دلی محبت تھی۔ مولانا اولاد حسن نے سیّد احمد کے ہاتھ پر بیعت جہاد کی اور خراسان کا سفر کیا۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا زبان اور بیان کے ساتھ اور کاٹنے والی تلوار اور نیزے کے ساتھ۔''

تذکرہ علمائے ہند کا مؤلف لکھتا ہے کہ سیّد اولاد حسن سیّد احمد کے مرید تھے اور ان کے ساتھ جہاد میں شریک ہوئے تھے۔ مولانا اولاد حسن تکمیلِ علم کے بعد وطن قنوج تشریف لائے اور دعوت وارشاد کا کام کیا۔ ان کی عمر عزیز درس اور وعظ وپند میں بسر ہوئی۔

(خطوط غالب، ص:۵۳۳، تذکرہ علمائے ہند، ص:۱۱۴)

مزید لکھا ہے کہ جس زمانے میں سیّد احمد شہید کی دعوت کا غلغلہ پورے برصغیر میں بلند تھا، سیّد اولاد حسن رحمہ اللہ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت سے مشرف ہوئے۔ پھر ان کی قیادت میں قافلہ مجاہدین کے ساتھ، جن میں مولانا شاہ اسماعیل اور مولانا عبدالحی جیسے مقتدر رجال شریک تھے، سرحد پار گئے اور انگریزی حکومت کے خلاف بعض جنگوں میں حصہ لیا اور اس عہد میں کابل، قندہار اور لاہور کا بھی سفر کیا۔ ان کا شمار بہ سلسلہ جہاد سیّد احمد و شاہ اسماعیل کے ساتھ جانے والوں میں ''السابقون الاولون'' میں ہوتا ہے۔ (تلامذہ غالب، ص:۲۳۰، تراجم علمائے ہند، ص:۲۳۱، فقہائے ہند، حصہ اوّل، ص:۱۱)

سیّد احمد نے ان کے نام ''پنج تار'' مقام سے ایک خط لکھا جس سے ان کی شان وعظمت میں بہت اضافہ ہوا۔ خط درج ذیل ہے:

''از امیر المومنین سیّد احمد بمطالعہ سیادت مآب نقابت انتساب سیّد اولاد حسن صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ!

بعد از سلام مسنون اجابت مقرون واضح آنکہ رقیمہ محبت ضمیمۂ سیّد کاشف حالات مندرجہ اش گردید آنچہ از مصروفیت خود در تبلیغ احکام رب العالمین نوشتہ آید، موجب فرحت بسیار شد، جزاکم اللہ خیر الجزاء۔ بر ہر یکے از مومنین خصوصاً علمائے اعلام ومشائخ کرام لازم است کہ احکام اسلام بر ہر بندگان او تعالیٰ شائع وذائع گردانید وبرراہ مستقیم ورضائے ربّ کریم مستعد سازند، دریں جانب از دعوت اہل سوات فارغ شدہ برائے ازالۂ کفر وفساد تا بہ پنجتار رسیدہ است ان شاء اللہ تعالیٰ عنقریب ابواب نصرۃ وفتح بر مجاہدین ابرار مفتوح خواہد شد خاطر جمع فرمائید والسلام۔''

محررہ ۱۵/ ذوالحجہ ۱۲۴۲ھ

ان مجاہدین میں ہمیشہ یہ خصوصیت رہی کہ اُن کی دعاؤں کے لیے

ع اجابت از درحق بہر استقبال مے آید۔

(تراجم علمائے ہند، ص:۲۷۱)

سیّد اولاد حسن رحمہ اللہ کے والد کا مقام اور ترکہ:

مولانا غلام رسول مہر تحریر کرتے ہیں کہ آپ کا نسب امام علی تقی سے ملتا ہے۔ اوچ کے شیخ سیّد جلال الدین گل سرخ بخاری اور مخدوم جہانیاں جہاں گشت بھی آپ کے اجداد میں سے تھے۔ آپ کے والد سیّد اولاد علی خاں حیدر آباد میں امیر کبیر نواب شمس الامراء کی سرکار سے وابستہ تھے اور ان سے دور کی عزیز داری بھی تھی۔ انھی کی سفارش سے نظام علی خاں والیِ دولت آصفیہ نے ''انور جنگ بہادر'' کا خطاب عطا کیا اور گولکنڈہ کا قلعہ دار بنایا۔ پانچ لاکھ سالانہ کی جاگیر ملی۔ ایک ہزار سوار وپیادہ کے وہ سالار تھے۔ انھوں نے پہلا نکاح وطن میں کیا تھا اور دوسرا حیدر آباد میں۔ آپ نواب سکندر جاہ آصف ثالث کے دور میں فوت ہوئے۔ حیدر آبادی بیگم سے کوئی اولاد نہ تھی۔ سیّد اولاد حسن پہلی بیگم کے بطن سے تھے۔

(جماعت مجاہدین، ص:۲۵۵)

مولانا سیّد اولاد حسن قنوجی کے متعلق لکھا ہے:

''سیّد اولاد حسن بڑی ہی نیک طبع اور خوش سیرت بزرگ تھے۔ کہا جاتا ہے کہ والد کی وفات کے بعد انھیں حیدر آباد بُلایا گیا لیکن وہ نہ گئے اور والد کا ترکہ چھوڑ دیا۔''

(جماعت مجاہدین، ص:۲۵۶)

ان کے متعلق معلوم ہے کہ جناب سیّد احمد کی شہادت کے بعد متعدد مقامات، خصوصاً والیِ ٹونک کی طرف سے ملازمت کی خواہش ظاہر ہوئی مگر شان بے کمر وحروان بے کلمہ کس کی ملازمت خاطر میں نہ لائے۔

اور انکار کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان کی بعض باتیں خلاف شرع تھیں، اس لیے آپ نے وہاں جانے سے انکار کر دیا۔

(تراجم علمائے ہند، ص:۲۷۲، فقہائے ہند: ۱۱۲/۱)

''ماثر صدیقی'' میں لکھا ہے کہ سیّد احمد شہید نے ایک موقع پر پدری میراث کے ترک کا سبب پوچھا اور کہا کہ آج وہ مال موجود ہوتا تو مسلمانوں کے کام آتا۔ سیّد اولاد حسن نے جواب دیا: میرے والد شیعہ تھے۔ معلوم نہیں ان کا مال میرے لیے حلال ہے یا حرام۔ اگر حرام ہے تو اس لائق نہیں کہ اسے حاصل کروں اگر حلال ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے عوض مجھے علم کی دولت عطا کر دی ہے۔

(ماثر صدیقی: ۵۰/۱)

اس کے علاوہ توکل کا یہ عالم تھا کہ ایک روز تمام اسنادِ تمسکات اور شہر قنوج کی جائیداد کے کاغذات آگ میں جلا دیے اور فرمایا:
"محتاج چند قطعات زمین وچند باغات برائے معاش نیستم، فـي السماء رزقكم وما توعدون ."
(کاروان ایمان وعزیمت، ص:٨٨)
یعنی میں معاش کے لیے چند زمینوں اور چند باغات کا محتاج نہیں ہوں کیونکہ (اللہ فرماتا ہے:) اور آسمان ہی میں تمھارا رزق ہے اور وہ بھی جس کا تم وعدہ دیے جاتے ہو۔
یہ سب واقعات اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ سیّد صاحب رحمہ اللہ کی زندگی قرونِ اولیٰ کی یاد دلاتی ہے۔ اگر والد محترم (سیّد اولاد حسن) نے مشتبہ مال ترک کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے عوض نواب صدیق حسن کو نوابیِ بھوپال عطا کر دی، فرمان رسول اللہ ﷺ ہے:
((من ترك لله شيئا عوضه الله خيرا منه .))
"جو اللہ کے لیے کسی چیز کو چھوڑ دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے بہتر چیز اس کے بدلے میں عطا کر دیتا ہے۔"
مولانا امام خان لکھتے ہیں:
"گورنمنٹ نظام حیدر آباد نے املاک کی حوالگی کے لیے باضابطہ طلبی کا فرمان بھیجا۔ جہاں تین لاکھ روپیہ سرکاری خزانے میں جمع تھا مگر اس بنا پر انکار کر دیا کہ والد شیعہ تھا۔ شیرانی لکھتے ہیں کہ اولاد حسن پہلے شیعہ تھے۔ سیّد احمد کے ہاتھ پر بیعت کر کے جماعت اہل حدیث میں شامل ہو گئے اور گھر کی لاکھوں کی جائیداد سے ہاتھ اٹھا لیا۔" (تراجم علمائے ہند، ص:٢٧٢، مکاتیب حافظ شیرانی، ص:٢٥٢)
یہ رقم اس دور میں ایک بڑی خطیر رقم تھی جسے مولانا سیّد اولاد حسن نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مولانا اولاد حسن اور ان کے بیٹے نواب صدیق حسن رحمۃ اللہ علیہما کو رفعتوں سے نوازا اور ان کا نام آج بھی اسی طرح روشن ہے۔

شاعری:

مولانا سیّد اولاد حسن ایک اچھے شاعر بھی تھے اور تخلص حسنؔ کرتے تھے۔ چند اشعار بہ طور نمونہ پیش کیے جاتے ہیں:

اب کسی کا فعل ہو یا قول ہو
چاہیے سنت سے اس کا تول لو
مولوی، فاضل ہو یا استاذ و پیر
یا ولی یا شیخ یا شاہ فقیر

ایک شعر ہے ؎

سن چکے تم حسنؔ ارشاد نبیؐ
چاہیے سنت کی اب تو پیروی

اولاد:

مولانا سیّد اولاد حسن نے دو شادیاں کی تھیں: پہلا نکاح وطن میں کیا۔ ان سے حضرت والا جاہ نواب صدیق حسن اور احمد حسن عرشی پیدا ہوئے۔ دوسرا نکاح حیدر آباد میں کیا جب تحریک مجاہدین کے سلسلے میں ان کو حیدر آباد بھیجا گیا مگر اس سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔

وفات:

ایک ہفتہ بیمار رہے۔ بیماری کے دوران بھی نماز فرض وقت پر ادا کرتے رہے، نوافل بیٹھ کر پڑھ لیتے تھے۔ علم وفضل کا یہ آفتاب نماز ظہر سے پہلے ١٢٥٣ھ میں ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔ إنا لله وإنا إليه راجعون .
آپ کو محلہ شیخ پورہ (قنوج) میں دفن کیا گیا۔ (تراجم علمائے ہند، ص:٢٧٤، تذکرہ علمائے ہند، ص:١١٤، اردو ارتقاء میں علماء کا حصہ، ص:١٣٢)

تصادم سے بچاؤ کی حفاظتی تدابیر

خوشی محمد عاجز

(ادارے کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں)

شیعہ کا اہلِ سنت سے سیاسی اختلاف تھا۔ جس نے رفتہ رفتہ جداگانہ مذہب کی حیثیت اختیار کرلی۔ تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ اہل تشیع قرونِ اولیٰ سے لے کر آج تک اہل سنت حکومتوں کو زوال پذیر کرکے اپنی حکومت قائم کرنے کی تگ ودو کرتے آ رہے ہیں۔ اُن کے آباء واَجداد: نصیر الدین طوسی اور ابن علقمی نے ہلاکو خان سے ساز باز کرکے خلافت کے وقار کو بغداد کی گلیوں میں گھوڑوں کی ٹاپوں سے روند ڈالا۔ برصغیر پاک وہند میں جب ہمایوں شکست کھا کر ایران فرار ہوا تو صفوی خاندان نے اس کی کمک میں فوجی دستوں کے ساتھ شیعہ مبلغین کی کھیپ بھیجی۔ جب ہمایوں کو فتح حاصل ہوئی تو اُس نے ایرانی جرنیلوں کو انعام میں جاگیریں دیں۔ یوں وہ مستقل طور پر ہندوستان میں آباد ہوگئے۔ جہانگیر کے دور میں نور جہاں نے اپنے ایرانی اُمراء ومبلغین کو بے پناہ سیاسی ومذہبی مراعات دیں۔ یہی وجہ ہے کہ مغلیہ خاندان کے دورِ انحطاط میں شیعہ خاندان کی کئی خود مختار ریاستیں قائم ہوگئیں۔

مغل شہزادوں کی نا اہلی کی وجہ سے برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی کا ہندوستان میں اثر ورسوخ بڑھ گیا تو اکثر شیعہ اُمراء نے انگریزوں کے ساتھ تعاون کیا۔ بنگال میں میر جعفر نے نواب سراج الدولہ سے غداری کی اور دکن میں میر صادق نے ٹیپو سلطان سے بدعہدی کی۔ شیر میسور کی وفات کے بعد برصغیر میں انگریزوں کا راستہ روکنے والا کوئی نہ رہا۔

انگریزوں نے برصغیر پر تسلط جمانے کے بعد انتخابات شروع کیے تو اہل تشیع نے اہل سنت سے بڑھ کر حصہ لیا، آخر کیوں؟ مغلیہ خاندان کے دور میں ہندوستان کی عدالتوں میں شرعی نظام رائج تھا جہاں قاضی صاحبان اسلامی ضابطوں کے مطابق فیصلے صادر کرتے تھے۔ انگریزوں نے برسر اقتدار آ کر شرعی نظام کا خاتمہ کردیا اور عوامی قانون رائج کیا۔ چونکہ جمہوری نظام میں قانون سازی کا عمل زیرو پوائنٹ سے شروع ہوتا ہے۔ انتظامی معاملات کے لیے ہو یا امن وامان قائم کرنے کے لیے، جمہوری نظام میں عوام یا عوام کے منتخب نمائندے قانون خود وضع کرتے ہیں۔ شیعہ چونکہ تحریفِ قرآن کے قائل ہیں اور نبی کریم ﷺ کی سنت کے بارے میں ان کی جداگانہ کتب احادیث ''صحاح اربعہ'' کا تصور ہے۔ مزید برآں وہ اس عقیدے پر عمل پیرا ہیں کہ امام قائم آ کر اسلامی حکومت قائم کریں گے، اس لیے انھیں قرآن وسنت کے نفاذ سے قطعاً کوئی دلچسپی نہیں بلکہ اُن کی سرگرمیوں کا محور یہ ہے کہ امام مہدی کی آمد سے قبل شیعوں کا عالم اسلام میں سیاسی غلبہ قائم ہوجائے۔ یہی وجہ ہے کہ شیعہ صاحبان اہلِ سنت کی نسبت مغرب کے سیکولر نظام میں زیادہ جوش وخروش سے حصہ لیتے ہیں۔

ایران دنیا بھر کے شیعوں کا سیاسی مرکز ہے۔ اور ایرانی حکومت کی ذہنیت کا اندازہ پاکستان کے سابق کمانڈر چیف مرزا اسلم بیگ کے ایک بیان سے کیا جاسکتا ہے:

> ''اپنا انقلاب دوسرے ممالک میں برآمد کرنے کے ایرانی جذبے نے متعدد مسلم ممالک میں ایران کے متعلق ایک طرح کے مزاحمتی رویے کو جنم دیا ہے۔ میرے خیال میں ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ آج کے ایرانیوں میں بھی قبل مسیح کی

ایرانی سلطنت (پرشین ایمپائر) کا تصور موجود ہے۔ میرے دور میں ایران کے کمانڈر چیف محسن رجائی پاکستان آئے تو اُن کے پاس اُس پرشین ایمپائر کے نقشے موجود تھے۔ وہ مجھے بتاتے رہے کہ ماضی میں پاکستان، افغانستان، کشمیر اور وسط ایشیا کے کون کون سے علاقے ایرانی سلطنت کا حصہ رہے ہیں۔ ایرانیوں کی یہ سوچ علاقائی تعاون کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ بن سکتی ہے۔ میرا احساس یہ ہے کہ ایرانی دعوے تو بہت کرتے لیکن عمل کا وقت آتا ہے تو وہ آگے نہیں بڑھتے۔'' (ہفت روزہ زندگی، لاہور: ۲۳ تا ۲۹ مئی ۱۹۹۲ء)

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ایران کے موجودہ حکمران بھی اپنی شیعی حکومت کو وسعت دینے کے لیے متحرک وفعال ہیں۔ عالم اسلام کے وہ ممالک جہاں شیعہ کثرت سے آباد ہیں وہاں اُن کی خالص مذہبی حکومتیں قائم ہوچکی ہیں۔ وہ مسلم علاقے جہاں شیعہ معقول اقلیت میں آباد ہوتے ہیں وہاں خفیہ قوتوں سے ساز باز کرکے وہ اپنی حکومت قائم کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ مزید برآں وہ مسلم ریاستیں جہاں ان کی تعداد انتہائی کم ہے وہاں یہ لوگ جمہوری انتخابات میں بھرپور حصہ لے کر سیاسی رعب ودبدبہ اور اثر ورسوخ اس قدر حاصل کرلیتے ہیں کہ وہ اہلِ سنت سے بڑھ کر اپنے مذہب کے تحفظ اور فروغ کے لیے سرکاری سطح پر بے پناہ مفادات حاصل کرلیتے ہیں۔

یہودی مغربی ممالک میں معاشی وسیاسی حربے بروئے کار لاکر بے تاج بادشاہ بن چکے ہیں۔ اسی طرح اسلامی جمہوری ممالک میں شیعہ امورِ حکومت پر چھا گئے ہیں۔ چونکہ اہلِ سنت میں جھوٹ فریب، بد دیانتی اور وعدہ خلافی قطعاً ناجائز نہیں، اس لیے وہ انتخابات میں عموماً عدمِ دلچسپی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ جب کہ اہل تشیع میں عقیدہ ''تقیہ'' کی بنا پر غیر واقعی امور کا اظہار جائز ہے، اس لیے شیعہ جاگیردار اور لیڈر صاحبان عوام کو بنیادی ضرورتوں کے سبز باغ دکھا کر انتخاب میں حصہ لیتے ہیں۔ وہ موقع محل کی مناسبت سے جماعتی وفاداریاں تبدیل کرکے سیاسی مفاد حاصل کرتے رہتے ہیں۔ اگر آپ کو یقین نہ آئے تو بیگم عابدہ حسین اور مشاہد حسین کی سیاسی تاریخ کا جائزہ لیں۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۹۸۸ء کے انتخابات میں قومی اسمبلی میں شیعہ ارکان کی تعداد ۴۲ اور صوبائی اسمبلیوں میں ۸۰ سے متجاوز تھی۔ ایسے شیعہ اپنی فقہ کی ترویج وترقی کے لیے ہمہ وقت مستعد رہتے ہیں۔ شیعوں کی فقہ میں معمولی حدود وقیود کے بعد بعض ایسے افعال بھی کار ثواب ہیں جنھیں شریعت مطہرہ نے کبیرہ گناہ قرار دیا ہے۔ آپ دیکھ لیں جنرل پرویز کے دور میں بہبود کے نام پر خواتین ایکٹ پاس ہوا۔ اس کو متعہ ہی کی جدید ترقی یافتہ شکل بھی کہا جاسکتا ہے۔ یہ اُس دور میں ہوا جب قومی اسمبلی میں متحدہ مجلس عمل کے ارکان پہلے کی نسبت زیادہ تھے۔ چونکہ وہ اکثریت میں نہ تھے، اس لیے انہدامِ حدود آرڈیننس بل پاس ہوگیا۔ یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ جمہوری نظام کے تحت قرآن وسنت کے نفاذ کی امید رکھنا شیخ چلی کا خواب ہے۔ بعض علمی احباب اس کو بنیاد بنا کر انتخابی عمل میں شرکت کی سخت مخالفت کرتے ہیں لیکن میرا اس نظریے سے قدرے اختلاف ہے۔

جمہوری نظام میں عوام کے منتخب نمائندے ملکی امور کا انتظام چلانے کے لیے دستور بناتے ہیں۔ امن وامان قائم رکھنے کے لیے قانون سازی کرتے ہیں اور قائد ایوان منتخب کرتے ہیں۔ قائد ایوان منتخب نمائندوں میں ہی سے وزیر مشیر مقرر کرتا ہے جو بیرونی ممالک سے دفاعی، اقتصادی، تجارتی معاہدے کرتے ہیں۔ منتخب نمائندے عوام کی فلاح وبہبود کے لیے بجٹ پاس کرتے ہیں۔ انھیں اپنے انتخابی حلقوں میں تعمیری وفلاحی کام کے لیے مالی گرانٹ ملتی ہے۔ منتخب نمائندوں کا علاقے کے سرکاری محکموں اور اداروں پر اثر ورسوخ ہوتا ہے۔ مذکورہ وجوہات کی بنا پر ارکان کا ایمان دار، دیانت دار، مخلص اور محبِّ وطن ہونا ضروری ہے۔ اسلام کے دفاع اور وطن کی سلامتی کی خاطر مخلص قیادت کے چناؤ کے لیے انتخابی عمل میں شریک ہونا چاہیے۔

چونکہ اکثر شیعہ تحریفِ قرآن کے قائل ہیں اور بعض ناہنجار خاتم النّبیین ﷺ کے جاںنثار ساتھیوں کے لیے غیر شائستہ بلکہ گھٹیا زبان

استعمال کرتے ہیں، اس لیے وہ امانت، وکالت شہادت، رائے دہی اور سفارش کے قطعاً اہل نہیں۔ کسی حلقے میں شیعہ آزاد امیدوار ہو تو اس علاقے کے شیعہ ووٹر صرف اُسے ہی ووٹ دیں گے، خواہ اُن کی جماعتی وفاداری کسی سیاسی پارٹی سے ہو یا نہیں۔ اہل سنت کونسل انتخاب میں خود اُمیدوار کھڑا نہ کرے بلکہ اُن کا مشن یہ ہو کہ کسی مسلمان، خصوصاً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں منفی رائے رکھنے والے کو ووٹ دینا خودکشی ہے، خواہ اس کا تعلق کسی بھی سیاسی پارٹی سے ہو۔

وہ مسلم ممالک جہاں اہل سنت کی اکثریت آباد ہے، وہاں بھی اُن کی حق تلفی ہو رہی ہے کیونکہ اہلِ سنت عموماً تحمل و بردباری سے کام لیتے ہیں اور سرکاری و نجی معاملات طے کرتے وقت عدل وانصاف کا دامن نہیں چھوڑتے اور بلا امتیاز مذہب ومسلک رواداری کا مظاہر کرتے ہیں۔ ان کے برعکس اقلیت کا واویلا کرنے والے جاگیردار اور افسران انصاف کے اصولوں اور قانونی ضابطوں کو اپنے مسلکی بھائیوں کی خاطر زمین میں دفن کر دیتے ہیں۔

الیکشن کے موقع پر اگر کسی حلقہ کے انتخاب کے وقت اقلیتی اُمیدوار سیاسی جماعت کی وفاداری کو بالائے طاق رکھ کر اپنے ہم عقیدہ یا فقہی ہم نوا اُمیدوار کے حق میں ووٹ کاسٹ کرتے ہیں۔ جب کہ نوے فی صد اہل سنت ووٹ کاسٹ کرتے وقت شیعہ سنی کی تفریق کو ملحوظ خاطر نہیں رکھتے۔

ایرانی انقلاب کے اثر پذیری کے نتیجے میں پاکستان میں تحریک فقہ جعفریہ سرگرم عمل ہوئی جس کے ردّعمل میں جھنگ کی سرزمین سے عظمت صحابہ کے حق میں ایک آواز نمودار ہوئی جس نے اہلِ سنت کو مسلکی شعور کی طرف متوجہ کیا اور سیاسی حقوق کے تحفظ کی آواز بلند کی۔ اس نوائے حق کو اہلِ سنت کے مذہبی حلقوں سے پذیرائی حاصل ہوئی لیکن ''نازک مزاج شاہان تاب سخن نہ دارد'' کے اصول پر اس کی مقبولیت کو ہائی جیک کر لیا گیا۔ ان کے نعروں اور پالیسیوں سے اتفاق کرنا تو مشکل تھا، بعد میں انھوں نے اصلاحی طریقہ کار کے جارحانہ انداز کو اگرچہ تبدیل کر دیا۔ مخلص احباب نے متحارب تنظیموں کو فتنہ انگیز رویہ ترک کرنے کا مشورہ دیا لیکن افسوس کہ دونوں طرف سے اس معقول رائے کو پسِ پشت ڈال دیا گیا۔ اہلِ سنت کے مذہبی وسیاسی حقوق کے تحفظ کے لیے اتحاد اہل سنت کا قیام ضروری ہے جس کے چند بنیادی مقاصد مندرجہ ذیل ہیں:

☆...... اہلِ سنت کے مکاتب فکر میں ہم آہنگی واتحاد کی فضا سازگار کرنا اور شیعہ سنی تصادم کے خاتمہ کے لیے ملی یکجہتی کونسل کے مرتب کردہ ضابطہ اخلاق کو مؤثر بنانا۔

☆...... اہلِ سنت عوام وخواص میں مذہبی شعور بیدار کرنا اور اُن کو ذہنی طور پر عقلی ونقلی دلائل سے بہرہ ور کرنا تاکہ شیعہ کے روز مرہ اعتراضات کا منھ توڑ جواب دے سکیں۔

☆...... جلسوں میں شیعوں کے خلاف فتنہ انگیز نعروں سے اجتناب کرنا۔ البتہ شیعوں کے سبِّ صحابہ خلاف قانونی چارہ جوئی کرنا اور اُن کے خلاف سماجی بائیکاٹ کی مہم تیز تر کرنا۔

☆...... تنگ دست اگر شیعہ ہو تو انسانی ہمدردی کے جذبے کے تحت مالی تعاون کیا جائے۔ اگر پڑوسی ہو تو اس کے بچوں کے سروں پر دست شفقت رکھا جائے۔ بیمار ہو تو علاج معالجہ اور بیمار پرسی کی جائے اور وفات کی صورت میں کفن ودفن میں ہاتھ بٹایا جائے۔

☆...... روز مرہ زندگی میں مشاہدہ کی بات ہے کہ بے نماز اہلِ سنت امام بارگاہوں میں جا کر اور تعزیہ کے جلوسوں کی رونق دوبالا کرتے ہیں، چنانچہ اہل سنت پر لازم ہے کہ وہ نئی نسل کو اسلام کی بنیادی تعلیم سے بہرہ ور کریں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مالی وجانی قربانیوں سے روشناس کرائیں۔

☆...... اہلِ سنت مساجد کے ائمہ کرام کا فرض منصبی ہے کہ وہ اپنے محلّہ کے چھوٹے بڑوں کو صوم وصلاۃ کا پابند کریں اور غیر شرعی جلوسوں اور مجالس میں نہ جانے کی تلقین کریں۔

الٰہی! ہمارے دلوں میں رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اطاعت اور اہل بیت عظام سے محبت کرنے کے جذبے میں اضافہ فرما، آمین۔

نقشِ عمل

باوضو معصوم، پاکیزہ بدن اچھا لگا
کرتا، پاجامہ، مہذب پیرہن اچھا لگا

یہ ہیں عالی مرتبت عالم ہمارے دین کے
داڑھی کے بالوں سے چہرے کا چمن اچھا لگا

وہ جہاں پر بدعت و گمراہیاں چھائی تھیں کل
آج ان جگہوں پہ سنت کا چلن اچھا لگا

وہ تو زیادہ پا کے بھی کہنے لگا "ھل من مزید"
آپ کا تھوڑے میں بھی رہنا مگن اچھا لگا

یوں تو اس دنیا میں نیک و بد بہت فنکار ہیں
جس میں ہو انسانیت وہ فکر و فن اچھا لگا

جانے کس کو کھل گئی شہر انا کی شانتی
ہم کو تو شہر بنارس کا امن اچھا لگا

یہ مرے باذوق یاروں کی نوازش ہے کہ وہ
کہتے ہیں فائقؔ کا انداز سخن اچھا لگا

(فائقؔ بندوی)